تین طلاقوں کے مسئلہ پر
غیر مقلد عالم جناب مولوی محمد امین محمدی صاحب
کے مقالہ کا مدلل جواب
جواب مقالہ
از قلم
حافظ عبدالقدوس خان قارن
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
ناشر: عمر اکادمی
نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

نام کتاب ـــــــ جواب مقالہ
تالیف ـــــــ حافظ عبدالقدوس خان قارن
مطبع ـــــــ فائن بکس پرنٹرز لاہور
ناشر ـــــــ عمر اکادمی نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
تعداد ـــــــ ایک ہزار
تاریخ طباعت ـــــــ اکتوبر ۲۰۰۰ء
قیمت ـــــــ ۳۵ روپے

ملنے کا پتہ

- مکتبہ طلمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی نمبر ۱۶
- مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
- مکتبہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ العارفی جامعہ امدادیہ فیصل آباد
- مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت
- مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
- مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
- مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ حنفیہ فاروقیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ
- مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ مینگورہ
- مکتبہ امدادیہ حسینیہ راولپنڈی روڈ چکوال
- مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
- کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ

فہرست مضامین

مراجع مصادر

جواب مقالہ میں مندرجہ کتب سے استفادہ کیا گیا اور ان کے حوالہ جات دیئے گئے ہیں

(۱) قرآن کریم

(۲) بخاری شریف امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

(۳) مسلم شریف امام مسلم بن الحجاجؒ

(۴) ترمذی شریف امام محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ

(۵) ابوداؤد شریف امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ

(۶) نسائی شریف امام احمد بن شعیب النسائی

(۷) سنن ابن ماجہ امام محمد بن یزید بن ماجہؒ

(۸) موطا امام مالک امام مالک بن انسؒ

(۹) مسند احمد امام احمد بن حنبلؒ

(۱۰) مسند ابی یعلی امام احمد بن علیؒ

(۱۱) مصنف عبدالرزاق امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمامؒ

(۱۲) سنن دار قطنی امام علی بن عمر الدارقطنیؒ

(۱۳) تفسیر روح المعانی علامہ سید محمود آلوسیؒ

(۱۴) تفسیر مظہری علامہ قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ

(۱۵) تفسیر خازن علامہ علاؤالدین علی بن محمد الخازنؒ

(۱۶) تفسیر معالم التنزیل علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود البغویؒ

(۱۷) تفسیر الدر المنثور امام جلال الدین السیوطیؒ

(۱۸) تفسیر ابی السعود علامہ ابوالسعود محمد بن محمد العمادیؒ

(۱۹) تفسیر کبیر امام فخر الدین الرازیؒ

(۲۰) تفسیر طبری امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبریؒ

(۲۱) تفسیر مدارک امام ابوالبرکات النسفیؒ

(۲۲) تفسیر معارف القرآن مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

(۲۳) احسن التفاسیر مولانا سید احمد حسن دہلویؒ

(۲۴) مسلم شریف مترجم علامہ وحید الزمان

(۲۵)ابوداؤد شریف مترجم علامہ وحید الزمان
(۲۶)فتح الباری علامہ ابن حجر عسقلانیؒ
(۲۷)نووی شرح مسلم امام یحیٰ بن شرف النوویؒ
(۲۸)السراج الوہاج شرح مسلم نواب صدیق حسن خانؒ
(۲۹)تحفۃ الاحوذی علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ
(۳۰)مرقات علامہ ملا علی قاریؒ
(۳۱)مجمع الزوائد امام علی بن ابی بکر الہیثمیؒ
(۳۲)مختصر سنن ابی داؤد امام منذریؒ
(۳۳)معالم السنن امام ابو سلیمان الخطابیؒ
(۳۴)معالم السنن امام ابو سلیمان الخطابیؒ
(۳۵)زرقانی شرح الموطا امام سید محمد الزرقانیؒ
(۳۶)تقریر ترمذی شیخ الہند مولانا محمود الحسن
(۳۷)سنن الکبریٰ امام بیہقیؒ
(۳۸)کتاب الاسماء والصفات امام بیہقیؒ
(۳۹)طبقات ابن سعد علامہ محمد بن سعدؒ
(۴۰)فتاویٰ ابن تیمیہ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہؒ
(۴۱)میزان الاعتدال علامہ ذہبیؒ
(۴۲)نیل الاوطار امام محمد بن علی الشوکانیؒ
(۴۳)مقدمہ انوار الباری مولانا احمد رضا بجنوریؒ
(۴۴)ہدایہ امام علی بن ابی بکر المرغینانیؒ
(۴۵)البحر الرائق علامہ ابن نجیم المصریؒ
(۴۶)الدر المنتقی محمد علاؤالدین الامامؒ
(۴۷)مجمع الانہر محقق عبدالرحمٰنؒ
(۴۸)رد المختار علامہ شامیؒ
(۴۹)الاقتصاد مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ
(۵۰)تدریب الراوی امام سیوطیؒ
(۵۱)توجیہ النظر علامہ طاہر بن صالح الجزائریؒ
(۵۲)الجوہر النقی علامہ علی بن عثمان الماردینیؒ
(۵۳)اغاثۃ اللہفان علامہ ابن القیمؒ
(۵۴)اعلاء السنن علامہ ظفر احمد عثمانیؒ
(۵۵)التعلیق المغنی مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ
(۵۶)سبل السلام علامہ محمد بن اسماعیل الامیر یمانیؒ
(۵۷)تلخیص الحبیر علامہ ابن حجر عسقلانیؒ
(۵۸)نور الانوار ملا جیونؒ
(۵۹)غایۃ التحقیق شرح حسامی علامہ عبدالعزیز
(۶۰)فتاویٰ ثنائیہ مولانا ثناءاللہ امر تسریؒ
(۶۱)فتاویٰ اہلحدیث مولانا حافظ عبداللہ محدث رو
(۶۲)فتاویٰ نذیریہ مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ
(۶۳)عمدۃ الاثاث شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب دام مجدہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

طلاقوں کا مسئلہ آج کل خاصہ زور و شور سے موضوع بحث بنا ہوا ہے اسلئے کہ عوام الناس
مسائل سے ناواقف اور معاشی و خاندانی پریشانیوں کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ جذباتی
جارہے ہیں۔ اور پھر یہ بھی کہ والدین اپنے پرانے طریق کار کے مطابق اولاد کی شادی
رضی کے مطابق کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جبکہ نوجوان نسل فلم انڈسٹری کے زہر آلود پر
موں سے متاثر ہو کر خود کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد سمجھنے لگی ہے۔ ایسے حالات میں
ں تک نوبت ایک معمول سا بن گیا ہے۔ جذبات اور جہالت کی وجہ سے بیوی یا سسرال
ں پر اپنی برتری قائم کرنے کیلئے اور ان کو نیچا دکھانے کیلئے یک دم تین طلاقوں کو کھیل
کیا ہے۔ ور غیر مقلدین حضرات کے ایسے لوگوں کے حق میں نرم اور بے بنیاد فتوے ان
لئے حوصلہ افزائی کا باعث بن رہے ہیں جس کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی عار یا خوف پیش
نہیں رکھا جاتا کہ یہ فعل شرعاً ممنوع ہے۔ ایسے فعل پر حضور نبی کریم ﷺ نے
گی کا اظہار بھی فرمایا اور ان تین طلاقوں کو تین ہی کی حیثیت سے نافذ بھی فرمایا ہے۔ اور
رت ﷺ کے مبارک دور سے لے کر آج تک گنتی کے چند افراد کو چھوڑ کر باقی امت
متفقہ طور پر ان کی اسی حیثیت کو تسلیم کرتی چلی آرہی ہے۔ خیر القرون کے زمانہ سے
کر آج تک حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ وابستگی کا اظہار کرنے والے مسلمانوں کی
یت ہر دور میں اس پر متفق رہی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی ناجائز ہوں یا جائز مگر تین ہی
ہوتی ہیں اور امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تین
یں اکٹھی دینا ناجائز بھی نہیں ہے۔ جبکہ صحابہ کرامؓ کا مخالف شیعہ گروہ یہ نظریہ رکھتا
کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں نافذ ہی نہیں ہوتیں۔ امام ابن تیمیہؒ تک حدیث کے راویوں
سے چند گنتی کے حضرات امام طاؤسؒ، محمد بن اسحاقؒ، ابن مقاتلؒ اور بعض اہل ظاہر کے

نام ملتے ہیں جواس نظریہ کے قائل تھے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینے سے صرف ایک طلاق
ہی پڑتی ہے جبکہ طاؤسؒ، محمد بن اسحاقؒ اور ابن مقاتلؒ سے یہ روایت بھی ملتی ہے کہ ان
نزدیک اکٹھی دی گئی تین طلاقیں نافذ ہی نہیں ہوتیں جیساکہ شیعہ حضرات کا نظریہ
(ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج۱)

ان کے علاوہ حضرات صحابہ اکرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ اربعہؒ، فقہاء کرامؒ اور صحاح
کے مصنفین امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ سمیت تمام محدثین کرام اس کے قائل
تھے کہ تین طلاقیں اکھٹی دینے کی صورت میں بھی تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

محدثین کرامؒ نے احادیث کی کتابوں میں، شارحین نے شروحات میں، فقہاء کرام نے فقہ
کتابوں میں اور مفتیان عظام نے اپنے فتاوی جات میں اسکی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ اور کچھ
تین طلاقوں کے مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور علماء کرام اجلاسوں میں اس
اہمیت واضح کرتے رہے ہیں۔ اس اہم اور نازک مسئلہ کی نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہو
حکومت سعودیہ کی جانب سے مقرر کردہ نامور ترین علماء کرام پر مشتمل جو کمیٹی قائم ہے
ملکی اہم فیصلہ جات کرتی ہے اس کمیٹی نے بھی خوب بحث و تمحیص کے بعد جو فیصلہ دیا ہے
یہی ہے کہ ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہوتی ہیں۔ علماء کرام کی اس بحث
تمحیص اور متفقہ فیصلہ کو رسالہ کی شکل میں شائع بھی کیا گیا ہے۔ جب امام ابن تیمیہؒ نے ا
دور میں یہ فتوی دیا کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے تو ان کو اپنے دور کے جید علما
کرام کی مخالفت کے ساتھ حکومت کی جانب سے ابتلاء و آزمائش کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس
مسئلہ میں امام ابن تیمیہؒ کے بے شمار شاگردوں میں علامہ ابن القیمؒ نے ہی ان کا کھل کر ساتھ
علماء کرام نے امام ابن تیمیہؒ کے اس فتوی کو ان کے دیگر تفردات کی طرح ایک تفرد قرار
مگر بر صغیر کے اکثر غیر مقلدین علماء کرام نے ان کے نظریہ کایوں پرچار شروع کر دیا کہ
نظریہ محدثین کا ہے اور فقہاء کا نظریہ اس کے مخالف ہے۔ اور آج بھی غیر مقلد علماء کر
یہی ظاہر کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو مغالطہ دے رہے ہیں۔ اس نظریہ کی تردید میں
علاقہ کے علماء کرام نے اپنی اپنی علاقائی زبانوں میں رسائل لکھے اور کتابیں تحریر فرمائیں
اردو زبان میں بھی سینکڑوں رسائل و کتب کے ذریعہ سے عوام الناس کو مسئلہ کی اص

نوعیت سے آگاہ کیا جاتا رہا اور اب بھی کیا جا رہا ہے۔ ان کتب میں میرے والد محترم
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دام مجدہم کی کتاب عمدۃ الاثاث فی
حکم الطلقات الثلاث اس موضوع کے مثبت و منفی پہلو کو اجاگر کرنے اور ٹھوس حوالہ جات پر
مشتمل ہونے کے ساتھ اختصار اور جامعیت میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس
موضوع پر جہاں بھی مذاکرہ یا بحث و مباحثہ ہوتا ہے تو اس کے نظریہ سے موافقت رکھنے
والے حضرات اس کے دلائل سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور مخالفین اس کے دلائل کے
سامنے بے بس ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں۔

تقریباً تین ماہ قبل عالم چوک گوجرانوالہ کے قریب ایک مدرسہ میں طلاق ثلاثہ کے موضوع
پر مقالہ پڑھا گیا اور مقالہ پڑھنے والے غیر مقلد عالم جناب مولوی محمد امین محمدی صاحب تھے
اس تقریب کی تشہیر کے لئے بڑے بڑے اشتہارات شہر گوجرانوالہ اور گرد و نواح کے
قصبوں اور دیہاتوں میں لگائے گئے۔ اشتہاری مہم اور طلاق ثلاثہ کے اہم موضوع پر مقالہ کی
وجہ سے ہمیں دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس مقالہ کو ضرور دیکھنا چاہئے۔ وہ بڑا جامع اور
دلائل پر مشتمل مقالہ ہوگا جس کے لئے اسقدر اشتہاری مہم چلائی گئی ہے۔ تو ہم نے کئی
دوستوں کے ذریعہ سے کوشش کی کہ اس مقالہ کی کوئی کاپی یا کم از کم اسکی فوٹو سٹیٹ ہی ہمیں
مل جائے مگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر معلوم ہوا کہ اس مقالہ کی ریکارڈ کیسٹیں بازار
سے مل رہی ہیں تو ہم نے امجد کیسٹ ہاؤس مغل مارکیٹ اردو بازار گوجرانوالہ سے کیسٹیں
منگوا کر ان کو سنا۔ کئی بار سننے کے بعد بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہوا کہ!

؎ بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرہ تو اک قطرہ خون نہ نکلا

اس مقالہ میں بھی نمایاں بات عمدۃ الاثاث پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار تھا۔ اور کوئی خاص بات
نہ تھی۔ البتہ ایک بات نئی سامنے آئی کہ طلاقیں تین نہیں بلکہ صرف ایک ہی ہے۔ ہم یہ تو
سنتے آئے ہیں کہ غیر مقلدین حضرات کے نزدیک اکٹھی دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں
مگر یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے نزدیک سرے سے طلاق ہی ایک ہے۔ اور اس کا اظہار اس مقالہ
میں جناب مولوی محمد امین محمدی صاحب نے متعدد بار واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔ اس مقالہ
کو سن کر اس پر کچھ تبصرہ کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اسلئے کہ اس میں کوئی بات ایسی تھی

ہی نہیں جس کا جواب ضروری خیال کیا جاتا ہو۔ مگر اسی وقت مجھے پیر طریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام مجدہم خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ کی بات یاد آ گئی۔ ایک محفل میں حضرت قاضی صاحب دام مجدہم سے کسی ساتھی نے کہا کہ حضرت آپ بہت بڑی علمی شخصیت ہیں اور ہر آدمی کو خود جواب دینا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ جس کا جواب دیا جا رہا ہوتا ہے اسکی تقریر یا تحریر میں ایسے کوئی وزنی دلائل تو نہیں ہوتے کہ آپ کو اس کے جواب میں اپنا قیمتی وقت صرف کرنا ضروری ہو یہ کام تو کسی عام رضاکار سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ تو حضرت قاضی صاحب دام مجدہم فرمانے لگے کہ بھائی اصل بات یہ نہیں ہے کہ میں کسی کا جواب لکھتا ہوں بلکہ میرے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ غلط نظریہ والی تقریر سن کر یا تحریر پڑھ کر جو لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں انکی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اسی خواہش اور مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے احقر کے دل میں اس مقالہ پر کچھ تبصرہ کرنے کا پھر سے خیال پیدا ہوا۔ مگر میرے چھوٹے بھائی قاری محمد اشرف ماجد صاحب کی وفات، اور ہمارے بہنوئی جناب قاری خبیب احمد صاحب کی والدہ محترمہ کی وفات کی وجہ سے یہ کام شروع نہ کیا جا سکا۔ پھر ہمارے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں ششماہی امتحانات کے بعد اتفاقاً ایک ہفتہ کی چھٹیاں ہو گئیں تو احقر نے ان چھٹیوں کو غنیمت جانتے ہوتے فائدہ اٹھایا اور اس مقالہ پر مدلل اور مختصر تبصرہ تحریر کیا ابھی مسودہ ترتیب دیا جا رہا تھا کہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی کار کو حادثہ پیش آ گیا جس میں ڈرائیور موقعہ پر جاں حق ہو گیا اور اسمیں سوار میرا بھتیجا محمد اکمل بھی ہفتہ بھر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔ اور بھتیجی سخت زخمی حالت میں ہسپتال میں زیر علاج ہے۔ اور پھر میرے خالہ زاد بھائی مولوی خالد حمید قریشی صاحب بھی طویل عرصہ بیمار رہنے کے بعد وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان پے در پے صدمات اور پریشانیوں کیوجہ سے جواب مقالہ منظر عام پر لانے میں تاخیر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس جواب کو شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جانے والوں کیلئے اصلاح کا ذریعہ بنائے آمین یا الٰہ العالمین۔

احقر حافظ محمد عبدالقدوس خان قارن

اظہار حقیقت

تین طلاقوں کے تین ہی واقع ہونے پر جمہورؒ کی جانب سے پیش کئے جانے والے دلائل اور امام ابن تیمیہؒ اور ان کی پیروی میں غیر مقلدین حضرات کے دلائل کے جوابات عمدۃ الاثاث میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں سے کچھ کا ذکر آگے اسی جواب مقالہ میں بھی انشاء اللہ العزیز ہو گا۔ یہاں ہم صرف ان مغالطات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو عام طور پر غیر مقلدین حضرات اس مسئلہ میں پیش کرتے ہیں اور ان کا ذکر جناب محمد امین محمدی صاحب نے بھی اپنے اس مقالہ میں کیا ہے۔ ان مغالطات کے ذکر کرنے اور ان کے جوابات دینے کی اسلئے ضرورت محسوس ہوئی تاکہ عوام الناس کو اصل مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو اور مغالطات کا شکار ہو کر غلط فہمی میں نہ مبتلا رہیں۔

عام طور پر مندرجہ ذیل مغالطے غیر مقلدین حضرات دیتے ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں اور روایت میں علی عہد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خود یہ فیصلہ فرماتے تھے۔

(۲) کیا حضرت عمرؓ کو حکم شرعی منسوخ کرنے کا اختیار تھا۔

(۳) جب حضور علیہ السلام کا فیصلہ یہ تھا تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اجتہادی تھا اور غلط تھا اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔

(۴) حضرت عمرؓ اپنے اس فیصلے پر آخر عمر میں نادم اور پشیمان ہو گئے تھے اس لئے اس فیصلہ کی کوئی حیثیت نہ رہی۔

(۵) جب تین طلاقیں بیک وقت دینا مقلدین کے نزدیک ناجائز اور ممنوع ہیں تو پھر ان

کو نافذ کیوں مانتے ہیں۔

(۶) حضرت ابن عباسؓ کی روایت مسلم شریف میں ہے اور صحیح ہے اسلئے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

(۷) بوقت ضرورت دوسرے ائمہ کے فتوی کے مطابق بھی فتوی دینے کے احناف قائل ہیں تو ایسی حالت میں غیر مقلدین حضرات کے فتوی کو کیوں تسلیم نہیں کرتے۔

(۸) اگر کوئی آدمی غلطی سے تین طلاقیں اکٹھی دے دیتا ہے تو احناف حلالہ کے بغیر اس کے لئے ملاپ کی کوئی صورت نہیں بتاتے اور حلالہ تو قبیح اور لعنتی فعل ہے اسلئے اس سے بچنے کیلئے غیر مقلدین کے فتوی پر ہی عمل کر لینا چاہئے۔

یہ ایسے مغالطات ہیں جو عموماً غیر مقلدین حضرات کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا مختصر جواب ہم انشاءاللہ العزیز عرض کریں گے ان سے پہلے ہم جناب محمد امین محمدی صاحب کے اس دعوی کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ طلاق صرف ایک ہے۔

طلاقیں تین ہیں یا ایک۔

جناب مولوی محمد امین محمدی صاحب فرماتے ہیں اسلام کے مقرر کردہ نظام طلاق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ طلاق صرف ایک ہی ہے۔ البتہ ضرورت کی صورت میں مرد کو زندگی میں تین مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے۔ تین دفعہ ہونے کی وجہ سے تین طلاقیں ہیں ویسے طلاقیں تین نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے طلاق کی صورت اور اس کے احکام بیان کرتے ہوئے الطلاق مرتان کہا ہے۔ طلاقان یا الطلاق ثلث تطلیقات نہیں بولا۔ اور اللہ تعالی کے الفاظ کا صاف معنی یہی ہے کہ رجوع والی طلاق دو مرتبہ ہے اب دو مرتبہ دینے کی صورت میں تو دو ہونگی ایک مرتبہ دینے کی صورت میں دو نہیں ہونگی۔ اگر طلاقیں تین ہوں تو پوری امت اس پر کیوں متفق ہو گئی کہ صرف ایک طلاق سے میاں بیوی میں مکمل جدائی ہو جاتی ہے اور یہ کہ عورت ایک طلاق کے بعد کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے جبکہ غیر مدخولہ کی عدت بھی کوئی نہیں تو وہ پہلی مرتبہ ہی طلاق کے فوراً بعد کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ الخ

الجواب۔ یہ نظریہ تفاسیر و احادیث اور امت کے اجماعی نظریہ کے بالکل خلاف ہے اسلئے

کہ تقریباً تمام تفاسیر میں ہے کہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں لوگ عورت کو پریشان کرنے کی خاطر سو سو دفعہ بھی تسلسل کے ساتھ طلاقیں دیتے جاتے۔ ایک طلاق دی جب اسکی عدت گزرنے کے قریب ہوئی تو رجوع کر لیا پھر طلاق دے دی اور یہی سلسلہ چلتا رہتا تو اسلام نے پابند کر دیا کہ مرد کو صرف دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے جب تیسری طلاق دے دی تو رجوع کا حق نہیں رہے گا۔ اور طلاق کی آخری حد (آزاد عورت کیلئے) تین مقرر کر دی (ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۲، مظہری ص ۳۰۰ ج ۱، خازن ص ۲۲۷ ج ۱، معالم التنزیل بر حاشیہ خازن ص ۲۲۷ ج ۱ تفسیر در منثور ص ۲۷۷ ج ۱ اور اسی طرح احادیث میں بھی ہے ملاحظہ ہو ترمذی ص ۲۲۶ ج ۱ اور موطا امام مالک)

امام ابن تیمیہؒ جاہلیت اور ابتداء اسلام کے اس طریق کار کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں **واللہ تعالیٰ قصرهم علی الطلاق الثلاث دفعا لهذا الضرر كما جاء ت به الآثار** (فتاوی ابن تیمیہ ص ۷۹ ج ۳۳) یعنی عورت کو اس ضرر سے بچانے کی خاطر اللہ تعالی نے مردوں کے لئے تین طلاقوں کی حد مقرر کر دی ہے۔

غیر مقلد عالم مولانا سید احمد حسن دہلویؒ فرماتے ہیں اس طریقہ کے بند کرنے کے لئے اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی جس سے اب یہ حکم شرعی ٹھہر گیا کہ تین طلاق کے بعد کوئی حق رجوع کرنے کا مرد کو باقی نہیں رہا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (احسن التفاسیر ص ۱۷۹۔۱۸۰ ج ۱)

غیر مقلد عالم مولانا عبد الجبار صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالی نے تین طلاقیں رکھیں اور ان کے دینے کا شرعی طریقہ یہ بتایا کہ علیحدہ علیحدہ حالت طہر دی جائیں اور دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار دیا۔ (فتاوی ثنائیہ ص ۲۴۱ ج ۲)۔ اور اسی صفحہ میں اس سے پہلے فرماتے ہیں اللہ تعالی نے رسم جاہلیت کو مٹا کر تین طلاقیں معین فرما دیں۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد عبد اللہ امرتسریؒ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دیتا ہے اور اس عورت کی عدت گذر گئی اور وہ دونوں دوبارہ نکاح کرتے ہیں تو اب مرد کتنی طلاقوں کا مالک ہوگا۔ تو فرماتے ہیں سوال کی صورت میں نکاح کے بعد دو ہی طلاقوں

کامالک ہو گا۔(فتاوی اہلحدیث ص ۲۶۸ ج ۳) اگر طلاق ایک ہی ہو تو دو کا مالک کیسے ہو سکتا ہے؟

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں **فوقّت لهم الطلاق ثلاثا** (تفسیر در منشور ۲۷۷ ص ج ۱) یعنی اللہ تعالی نے ان مردوں کے لیے تین طلاقیں مقرر فرمادیں۔اس لئے یہ کہنا کہ طلاق صرف ایک ہی ہے بالکل باطل نظریہ ہے۔

جناب محمدی صاحب کی دلیل اور اس کا جواب۔

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے **الطلاق مرتان** فرمایا ہے **طلاقان** یا **الطلاق ثلاث تطليقات** نہیں فرمایا تو جناب محمدی صاحب سے عرض ہے کہ تفسیری نکات کو حضرات مفسرین کرام نے بہترین انداز میں حل فرمایا ہے اور یہاں بھی مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مرتان سے مراد ہے اثنتان ہے چنانچہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ جب ایک آدمی نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالی نے **الطلاق مرتان** فرمایا ہے تو تیسری طلاق کہاں گئی۔ تو آپؐ نے فرمایا **التسريح باحسان هوا لثالثة هذا يدل على ان معنى مرتان اثنتان** (روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۲) کہ **التسريح باحسان** سے تیسری طلاق مراد ہے۔علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرتان کے معنی اثنتان ہے۔

اور علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں **مرتان ای اثنان** (تفسیر ابی السعود ص ۱۷۲ ج ۱) کہ مرتان سے مراد اثنان ہے۔جب مرتان کا معنی اثنان ہے۔تو طلاقان اور اثنان کا مفہوم ایک ہی ہے اور حضور علیہ السلام نے لونڈی کی طلاق بیان کرتے ہوئے فرمایا **طلاق الامة تطليقتان** (ترمذی ص ۲۲۴ ج ۱ و لبن ماجہ ص ۱۵۱) اور ایک روایت میں **طلاق الامة اثنتان** ہے۔(دار قطنی ص ۳۸ ج ۴) جب لونڈی کی طلاقیں آخری دو ہی ہیں تو **تطليقان** اور اثنان فرمادیا گیا تو اس سے آزاد عورت کی طلاقیں بھی سمجھی جاسکتی ہیں کہ ان کی آخری حد تین ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ الطلاق مرتان کیوں فرمایا ہے الطلاق اثنتان کیوں نہیں فرمایا تو اس کے بارے میں علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں کہ اسمیں اس بات کی اطلاع مقصود ہے کہ ان دونوں طلاقوں کا حق یہ ہے کہ ایک ہی دفعہ نہ ہوں بلکہ یکے بعد دیگرے ہوں **وان كان حكم الرد ثابتا حينئذ ايضا** (تفسیر ابی السعود ص ۱۷۲، ج ۱) اگرچہ اکٹھی دو کی صورت میں بھی

رجوع کا حکم ثابت ہوتا ہے۔اور قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ اثنتان کی جائے مرتان اسلئے فرمایا تاکہ اس پر دلالت کرے کہ ایک ہی دفعہ دو طلاقیں دینا مکروہ ہے۔اور آگے فرماتے ہیں لیکن اسمیں اجماع ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔(تفسیر مظہری ص ۳۰۰، ج ۱) خلاصہ یہ ہوا کہ مرتان ہے تو اثنتان کے معنی میں مگر یہ انداز اسلئے اختیار کیا گیا تاکہ دو طلاقوں کی صورت میں بہتر طریق کو واضح کر دیا جائے کہ بہتر طریقہ یکے بعد دیگرے طلاق دینے کا ہے اگرچہ اکٹھی دینے کی صورت میں بھی حکم وہی ہے مگر مکروہ ہے۔

جناب محمدی صاحب کی دوسری دلیل اور اس کا جواب۔

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں اگر طلاقیں تین ہوتیں تو پوری امت اس بات پر کیوں متفق ہو گئی کہ صرف ایک طلاق سے میاں بیوی میں مکمل جدائی ہو جاتی ہے الخ معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمدی صاحب طلاق کے بارہ میں اسلام کے بنیادی اصول سے ہی ناواقف ہیں۔ان کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ شریعت نے عورت کی حیثیت اور مرد کے طلاق دینے کے طریق کار کے لحاظ سے طلاق میں مختلف تاثیریں رکھی ہیں۔اور ہر مقام میں اس مقام کے مناسب اس طلاق کا اثر ظاہر ہوتا ہے مثلاً مدخولہ بھا آزاد عورت کو ایک طلاق دی گئی اور مرد طلاق دینے کے بعد عدت کے دوران شریعت کے دیئے گئے رجوع کے حق کو اختیار کرتا ہے تو بیشک طلاق ہو گئی مگر یہ طلاق مرد کو رجوع سے نہیں روکتی اور مرد اس کے بعد صرف دو طلاقوں کا مالک رہے گا۔اور اگر مرد نے عدت کے دوران رجوع نہیں کیا تو اسی طلاق کا اثر یوں ظاہر ہوا کہ اب مرد رجوع نہیں کر سکتا بلکہ نئے نکاح کی ضرورت ہو گی اور نئے نکاح کیلئے عورت کی رضامندی ضروری ہے جبکہ عدت کے دوران رجوع کی صورت میں عورت کی رضا وعدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔اسی طرح اگر دوسری طلاق دے دی تو پھر ایک طلاق کا مالک رہ جائے گا اور تیسری طلاق کے بعد رجوع اور نئے نکاح دونوں کا حق اس مرد کو نہیں رہا جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور ہمبستری کے بعد وہ طلاق دیدے یا مر جائے تو پھر پہلے خاوند سے نکاح کی صورت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔اور غیر مدخولہ بھا کو جو طلاق دی جاتی ہے اس ایک طلاق کا ہی اثر یہ ہے کہ وہ

عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جاتی ہے مرد کو رجوع کا حق نہیں ہوتا۔ اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر طلاق اپنے اپنے مقام میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ غیر مدخولہ بھا کو دی جانے والی طلاق کا اثر یہ ہے کہ عورت اس کی وجہ سے بائنہ ہو گئی اور اس کے لئے عدت بھی نہیں تو وہ کسی دوسرے مرد سے فی الفور بھی نکاح کر سکتی ہے۔ جبکہ مدخولہ بھا کو دی جانے والی طلاق کا یہ اثر نہیں ہے۔ اسلئے ہم یہ کہنے میں حق جانب ہیں کہ جناب محمدی صاحب نے جو نظریہ اپنایا ہے وہ ان کے اسلامی اصول طلاق سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

جناب محمدی صاحب کی ایک اور غلطی اور اس کا جواب۔

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ شریعت نے طلاق کے معاملہ میں ایسی کوئی صورت نہیں رکھی کہ پہلی ہی مرتبہ میں میاں بیوی میں جدائی ہو جائے۔ انسان غلطی سے ایسا کر بیٹھتا ہے اور جب جذبات ٹھنڈے ہوتے ہیں تو اسکو غلطی کا احساس ہو جاتا ہے پھر فرماتے ہیں اسلئے اللہ تعالی نے میاں بیوی کے تعلقات پوشیدہ ہونے کی صورت میں یہ مبغوض عمل جائز قرار دینے کے باوجود کوئی ایسا انداز جائز یا مشروع نہیں کیا کہ جس سے میاں بیوی میں ایسی جدائی ہو جائے کہ ان میں صلح کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے الخ (ملحضا) جناب محمدی صاحب اپنی تقریر کے اس حصہ میں بزعم خویش ان لوگوں کا راستہ روکنا چاہتے ہیں جو اکٹھی تین طلاقوں کی صورت میں مکمل جدائی کا نظریہ رکھتے ہیں جو کہ جمہور امت کا نظریہ ہے مگر جناب محمدی صاحب اس سوچ میں یہ بھول گئے کہ بعض ایسی صورتیں خود غیر مقلدین حضرات کے نزدیک بھی پائی جاتی ہیں جن میں پہلی ہی دفعہ طلاق کی صورت میں رجوع کا حق نہیں رہتا۔ ان صورتوں میں طلاق علی المال کی صورت اور اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ کے الفاظ سے طلاق اور فارغخطی جیسے کنایہ کے الفاظ سے طلاق دینے کی صورتیں نمایاں ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کے ہاں ایک سوال پیش ہوا جس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں الجواب واضح رہے کہ فارغ خطی ہمارے عرف کے مطابق ایک طلاق بائن ہوتی ہے لہذا اب زوج کو کسی صورت رجوع کا حق حاصل نہیں ہے اور عورت کو بعد گزر جانے عدت کے اختیار ہو گا کہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے واللہ اعلم بالصواب (سید محمد نذیر حسین) اور اس کے بعد غیر مقلدین کے عظیم

محدث محمد عبد الرحمن مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔ صورت مسئولہ میں چونکہ شخص مذکورہ نے بعوض مال کے طلاق دی ہے اسلئے یہ طلاق خلع ہے اور خلع میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور رجوع کا حق باقی نہیں رہتا ہے۔ (فتاوی نذیریہ ص ۸۰، ج ۳)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد عبد اللہ صاحب امرتسریؒ سے سوال ہوا کہ خلع طلاق ہے یا فسخ اور اسکی عدت کیا ہے؟ اس کے جواب میں لکھتے ہیں دو باتوں میں تو کوئی شبہ نہیں ایک یہ کہ خلع میں رجوع نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اسکو فدیہ کے لفظ سے ذکر کیا ہے اور فدیہ تبھی ہو سکتا ہے کہ رجوع نہ ہو (فتاوی اہلحدیث ص ۲۸۱، ج ۳) مولانا محمد عبد اللہ صاحب ہی سے سوال ہوا کہ اگر زید اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں تلخیص الحبیر کے حوالہ سے لکھتے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ قسم ہے اور اس میں قسم کا کفارہ ہے اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابو ھریرہؓ کا بھی یہی مذہب ہے پھر آگے لکھتے ہیں تیسرے حوالہ میں بتایا ہے کہ حرام وغیرہ کے لفظ سے ایک طلاق بھی پڑ سکتی ہے تین بھی پڑ سکتی ہیں۔ اگر ایک یا دو کی نیت کرے گا تو ایک۔ اگر تین کی نیت کرے گا تو تین۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سوال کی صورت میں حرام کا لفظ بالاتفاق طلاق کے لئے ہے (فتاوی اہلحدیث ص ۷۰-۲-۱۷۲، ج ۳) ان حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ جناب مولوی محمد امین محمدی صاحب کا یہ دعوی بالکل باطل ہے کہ پہلی ہی دفعہ طلاق کی کوئی ایسی صورت نہیں ہے جس میں رجوع کی گنجائش نہ ہو۔ اس لئے کہ طلاق کی یہ صورت پہلی دفعہ بھی ہے اور اس میں رجوع کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ نیز مولانا محمد عبد اللہ صاحب امرتسریؒ نے تلخیص الحبیر کا جو حوالہ دیا ہے اس پر کوئی جرح نہیں کی تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اعتراف ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت ابو ھریرہؓ حرام کے لفظ سے دی جانے والی طلاق کو تین طلاقیں سمجھتے تھے تو ایک لفظ سے ایک ہی وقت میں تین طلاقوں کا پایا جانا ان حضرات صحابہ کرامؓ سے جناب مولانا محمد عبد اللہ امرتسری صاحب نے تسلیم کر لیا ہے۔ (فَلِلّٰہِ الْحَمد)

طلاق کا معنے۔

جناب محمدی صاحب نے بعض کتب کے حوالہ سے طلاق کا لغوی اور شرعی معنے بیان کیا ہے کہ بعض نے طلاق کا شرعی معنی کیا ہے حَلُّ عُقْدَةِ التَّزْوِيْجِ اور بعض نے رَفْعُ الْقَيْدِ الثَّابِتِ شَرْعاً بِالنِّكَاحِ کیا ہے کہ نکاح کی وجہ سے ثابت ہونے والی بیڑی کھول دینا۔ الخ

گذارش ہے کہ بیشک ان حضرات نے یہ معنے بیان کیا ہے مگر وہ علمی دور تھا اور لوگ احکام کو پیش نظر رکھ کر تعریفات کو سمجھ لیتے تھے مگر جب علمی انحطاط ہوا اور لوگوں کو احکام سے مناسب واقفیت نہ رہی تو حضرات علماء کرام نے طلاق کی تعریف ایسے انداز سے فرمائی جس کی وجہ سے کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ مذکورہ تعریفات سے چونکہ طلاق رجعی ن صورت میں دی جانے والی طلاق کی تعریف نمایاں نہیں اور اس وجہ سے اس تعریف پر اعتراض ہوتا تھا اس لیے طلاق کی مناسب تعریفات یوں بیان کی گئی ہیں چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں۔ رَفْعُ قَيْدِ النِّكَاحِ حَالاً اَوْ مَآلاً بِلَفْظٍ مَّخْصُوْصٍ (البحر الرائق ص ۲۳۵ ج ۳) کہ مخصوص لفظ کے ساتھ حال یا مال کے لحاظ سے نکاح کی قید کو دور کرنا۔ یعنی عورت جو نکاح کی وجہ سے مرد کی قید میں ہے اس قید کو فی الفور دور کرنا جبکہ طلاق بائنہ ہو یا مال کے لحاظ سے دور کرنا جبکہ طلاق رجعی ہو اس لئے کہ طلاق رجعی کی صورت میں قید فی الفور دور نہیں ہوتی بلکہ عدت گذر جانے کے بعد دور ہوتی ہے۔ اور صاحب در المنتقی فرماتے ہیں کہ چونکہ عام طور پر طلاق کی جو تعریفات کی جاتی ہیں یہ طلاق رجعی کو شامل نہیں اسلئے طلاق کی بہتر تعریف یہ ہے اِزَالَةُ النِّكَاحِ اَوْ نُقْصَانُ حِلِّهِ (در المنتقی ص ۳۸۱، ج ۱) کہ طلاق نام ہے نکاح کے ازالہ یا اسکی حلت میں نقصان کا۔ طلاق بائنہ کی صورت میں ازالہ نکاح ہے اور طلاق رجعی کی صورت میں حلت کا نقصان ہے۔ اور ملا شیخ زادہ فرماتے ہیں و حکمه و قوع الفرقة مؤجلا با نقضاء العدة فی الرجعی و بدونه فی البائن۔ (مجمع الانھر ص ۳۸۰، ج ۱) کہ طلاق کا حکم یہ ہے کہ رجعی کی صورت میں فرقت عدت گذر جانے تک مؤخر ہوگی اور بائنہ کی صورت میں فرقت فی الفور ہوگی۔

جناب محمد امین محمدی صاحب نے چونکہ صرف رفع القید والی تعریفات کو ہی پیش نظر رکھ لیا ہے۔ اسلئے وہ طلاق کے معاملے میں مغالطہ در مغالطہ کا شکار ہو کر رہ گئے جیسا کہ ان کی تقریر سن کر اہل علم خوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

ہدایہ کی عبارت۔

جناب محمد امین محمدی صاحب نے ہدایہ کی ایک عبارت پیش کی ہے جس میں صاحب ہدایہؒ نے فرمایا ہے کہ طلاق کی اقسام میں سے بہتر یہی ہے کہ ایک ہی طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے اور عدت گزار کر عورت بائنہ ہو جائے۔ الخ گذارش ہے کہ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ صاحب ہدایہؒ جناب محمدی صاحب کی طرح ایک ہی طلاق کے قائل ہیں۔ صاحب ہدایہؒ نے تو احسن طلاق کا بیان کرنے کے بعد آگے دوسری اقسام کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور جس صورت کو صاحب ہدایہؒ نے احسن کہا ہے اسکو تمام احناف احسن کہتے ہیں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ اسلئے جناب محمدی صاحب کا ہدایہ کی عبارت پیش کرنا ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا اس لئے کہ اس سے نہ تو ان کے اپنے نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور نہ ہی احناف کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔

غیر مقلدین کی طرف سے دیئے جانے والے مغالطے

پہلا مغالطہ۔ علی عہد رسول ﷺ کا مطلب کیا ہے؟

غیر مقلدین حضرات عام طور پر یہ کہتے رہتے ہیں اور یہی جناب محمدی صاحب نے اس مقالہ میں کہا ہے کہ علی عہد رسول اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام فیصلہ فرماتے تھے حالانکہ اس کا یہ مطلب بالکل باطل ہے۔ اسلئے کہ کئی احادیث میں یہ الفاظ ملتے ہیں اور ان میں قطعاً یہ معنی نہیں کیا جاسکتا۔ اور طلاق کے بارے میں احادیث کے ذخیرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں بھی علی عہد رسول ﷺ کا یہ مطلب لینے کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے علماء امت نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا۔ کرنے والے اپنی مرضی سے کرتے تھے اگر کسی ممنوع فعل کا علم آپ ﷺ کو ہو جاتا تو آپ منع فرمادیتے تھے۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ کرنے والے کرتے تھے مگر اس کا علم آپ ﷺ کو نہیں ہوتا تھا۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے کسی کام سے منع کر دیا ہوتا مگر بعض حضرات صحابہ کرامؓ کو منع کی خبر نہ پہنچی ہوتی تو وہ اسکو کرتے رہتے اور جب ان کو ممانعت کی خبر پہنچ جاتی تو باز آجاتے تھے۔

احادیث کی کتابوں میں اسکی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(١) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے **طلقت امرأتی علی عهد رسول الله ﷺ وهی حائض** (مسند احمد ص ١٠٢، ج ٢) فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو میرے والد حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کو اس سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے مجھے رجوع کا حکم فرمایا۔ حدیث میں الفاظ **علی عهد رسول الله** ﷺ ہیں مگر اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں بن سکتا کہ حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے انہوں نے طلاق دی تھی اسلئے کہ حیض کی حالت میں طلاق تو شرعاً ممنوع ہے اسکا آپ ﷺ کے فیصلہ سے ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابن عمرؓ نے یہ طلاق اپنی مرضی سے دی تھی تب ہی تو علم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے رجوع کا حکم دیا تھا۔

(٢) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے **قال کنا اذا اشترینا علی عهد رسول الله ﷺ طعاما جزافا منعنا ان نبیعه حتی نو و یه الی رحالنا** (مسند احمد ص ١٥٧، ج ٢) فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں ہم تخمینہ سے طعام خریدتے تو آپ ﷺ نے منع فرمادیا کہ جب تک اس جگہ سے منتقل کر کے اپنے ٹھکانوں پر نہیں لے جاتے اسوقت تک اسکو نہ بیچیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کرتے تھے اور آپ ﷺ کو جب علم ہوا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

(٣) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے **قال قد کنا علی عهد رسول ﷺ نشرب قیاما و ناکل ونحن نسعی** (مسند احمد ص ١٢ ج ٢) فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہم کھڑے ہو کر پانی پی لیا کرتے تھے اور بھاگتے دوڑتے کھا بھی لیتے تھے۔ اور امام ترمذیؒ اس مفہوم کی روایت ذکر کر کے فرماتے ہیں **هذا حدیث حسن صحیح غریب** (ترمذی ص ١٠، ج ٢) اس میں قطعاً یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ سے ایسا کرتے تھے اسلئے کہ صحیح روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے **نهی ان یشرب الرجل قائما** (مسلم ص ١٧٣، ج ٢ و ترمذی ص ١٠، ج ٢ وغیرہ) بات واضح ہے کہ وہ حضرات حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے کھڑے ہو کر پانی نہیں پیتے تھے بلکہ یا تو ان کو ممانعت کی روایات نہ پہنچی ہونگی یا پھر وہ ممانعت میں توجیہ کرتے تھے کہ اس سے مراد کراہت ہے۔

(٤) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں **افطرنا علی عهد رسول الله ﷺ فی یوم غیم ثم طلعت الشمس** (ابن ماجہ ص ١٢٠) کہ ہم نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بادل والے دن سورج کے غروب سے پہلے ہی روزہ افطار کر دیا پھر دیکھا کہ ابھی سورج طلوع ہے۔ یہاں بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے روزہ افطار کیا ہو۔

(٥) حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں **تزوجت امرأة علی عهد رسول الله ﷺ** (ابن ماجہ ص ١٣٤) کہ میں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت سے نکاح کیا تو جب میں حضور علیہ السلام سے ملا تو آپ نے فرمایا اے جابر کیا تو نے شادی کی ہے تو میں نے کہا جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کنواری عورت سے کی ہے یا ثیبہ سے تو میں نے کہا کہ ثیبہ سے کی ہے۔

اس روایت میں بھی **علی عهد رسول الله ﷺ** کے الفاظ ہیں مگر آپ ﷺ کو اسکی شادی کی خبر بھی نہ تھی۔

(٦) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں **کانت النفساء علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم تقعد بعد نفاسها اربعین یوما او اربعین لیلة** (ابو داؤد ص ٤٣، ج ١) کہ نفاس والی عورتیں نبی کریم ﷺ کے زمانے میں چالیس دن یا چالیس راتیں بیٹھی رہتی تھیں ظاہر ہے کہ یہ عورتیں اپنی نفاس کی عادت کے مطابق بیٹھی رہتی تھیں اور نفاس کی مدت گذارتی تھیں اسکا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ نفاس والی عورتوں کیلئے آپ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا اسلئے کہ اگر آپ کا فیصلہ ہوتا تو پھر اس مدت میں کمی بیشی نہ ہو سکتی حالانکہ حکم یہ ہے کہ اگر عورت کا نفاس کا خون چالیس دن سے کم مدت میں بھی بند ہو جائے تو وہ غسل کر کے پاک ہو جاتی ہے اور اس کا حکم پاک عورتوں والا ہے اس پر نماز بھی لازم ہوگی اور اس کے ساتھ خاوند ہمبستری بھی کر سکتا ہے۔ اسی لئے اس روایت کے تحت غیر مقلد عالم لکھتے ہیں کہ نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے اور کم از کم کی کوئی حد نہیں ہے۔ جب بھی عورت کا خون بند ہو جائے تو غسل کرے اور نماز پڑھنا شروع کردے (عون المعبود ص ١٢٣، ج ١٢) ان روایات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ **علی عهد رسول** ﷺ یعنی حضور

علیہ السلام کا زمانہ ہونے کے باوجود لوگ اپنے طور پر بعض ایسے کام کرتے تھے جن کا حضور علیہ السلام کو یا تو پتہ ہی نہ چلتا تھا یا ان کے کرنے کے بعد پتہ چلتا تھا۔ اور ان میں سے بعض لوگ بعض ممنوع کام بھی کرتے تھے یا تو ان کو ممانعت کا علم نہ تھا۔ یا وہ ممانعت کو کراہت پر محمول کرتے تھے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ **علی عهد رسول الله** ﷺ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور علیہ السلام فیصلہ فرماتے تھے۔

بعض صحابہ کرامؓ کو بعض منسوخ کاموں کے نسخ کا علم نہ ہوتا تھا۔

بعض کام ایسے بھی تھے جو پہلے جائز ہوتے تھے۔ اور بعد میں حضور علیہ السلام نے ان سے منع فرمایا ہوتا مگر بعض صحابہ کرامؓ کو ان کے نسخ کا علم نہ ہوتا تھا اسلئے وہ ان کاموں کو کرتے رہتے اور جب ان کو ان کاموں کے منسوخ ہونے کا علم ہو جاتا تو چھوڑ دیتے تھے۔ اسکی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اگر آدمی اپنی بیوی سے ہمبستری کرے اور منی کے نکلنے کے بغیر چھوڑ دے تو ابتداء اسلام میں اس کی وجہ سے صرف وضوء کافی ہوتا تھا مگر بعد میں حضور علیہ السلام نے اسکی وجہ سے غسل کا حکم دیا پہلے حکم کے منسوخ ہونے کا علم کئی صحابہ کرامؓ کو حضرت عمرؓ کے زمانہ تک نہ ہو سکا اور وہ پہلے حکم کے مطابق ہی عمل کرتے اور فتوی دیتے رہے۔ چنانچہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں **وقد بقی علی المذهب الاول جماعة من الصحابة لم يبلغهم خبر التقاء الختانين منهم سعد بن ابی وقاص**ؓ **وابوايوب الانصاری**ؓ **و ابو سعيد الخدری**ؓ **ورافع بن خديج**ؓ **وزيد بن خالد**ؓ (معالم السنن ص ۱۵۰، ج ۱) یعنی پہلے نظریہ پر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت باقی رہی اسلئے کہ ان کو التقاء ختانین والی روایت نہ پہنچی تھی اور ان صحابہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ اور غیر مقلد عالم فرماتے ہیں **ولعدم الا طلاع علی نسخه و كانوا هم جماعة من الصحابة** (عون المعبود ص ۸۶، ج ۱) یعنی انزال منی کے بغیر جماع کی صورت میں صرف وضوء کا فتوی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت دیتی رہی اسلئے کہ ان کو اس کے منسوخ ہونے کی اطلاع نہ ہو سکی تھی۔ اور ان صحابہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ جیسی شخصیات بھی شامل تھیں۔ اور ایک روایت میں ہے صحابی فرماتے ہیں **كنا نفعله فی عهد رسول الله**

ﷺ کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے (کہ انزال منی کے بغیر جماع کی صورت میں صرف وضوء ہی کر لیا کرتے تھے) تو اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کے سامنے حضرات صحابہ کرامؓ کی آپس میں بحث شروع ہو گئی اور جھگڑا ہو گیا تو حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ اس معاملہ میں ازواج مطہرات سے بڑھ کر کوئی مسئلہ نہیں بتا سکتا ان سے مسئلہ پوچھنا چاہئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آدمی بھیجا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ایسی صورت میں غسل واجب ہوتا ہے۔ تو اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کے مشورہ کے ساتھ **الماء من الماء** والی روایت پر عمل کرنے سے منع فرمادیا۔ (مسند احمد ص ۱۱۵، ج ۵)

(۲) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں **كنا نبيع امهات الاولاد علی عهد رسول الله** ﷺ (مسند احمد ص ۲۲، ج ۳) کہ ہم حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ام ولدہ کی خرید و فروخت کرتے رہتے تھے او حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں بعنا امہات الاولاد علی عہد رسول اللہ ﷺ **وابی بكر فلما كان عمر نهانا فانتهينا** (ابو داؤد ص ۱۹۵، ج ۲) کہ ہم حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر کے زمانہ میں ام ولدہ کی خرید و فروخت کرتے تھے تو جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو انھوں نے ہمیں اس سے روک دیا تو ہم رک گئے۔

امام منذریؒ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ میں مباح ہو پھر نبی کریم ﷺ نے منع فرمادیا ہو اور حضرت ابو بکرؓ کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو اسلئے کہ انکی خلافت کا زمانہ تھوڑا سا تھا اور دینی امور میں مشغول رہتے تھے۔ **ثم نهی عنه عمر حين بلغه ذالك عن رسول الله فانتهوا عنه** (مختصر سنن ابی داوٗد ص ۴۱۴، ج ۵) پھر حضرت عمرؓ نے منع فرمادیا جبکہ ان کو نبی کریم ﷺ سے اس بارہ میں ممانعت کی خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کے منع کرنے پر لوگ اس کام سے رک گئے۔ یہ بات امام خطابی نے معالم السنن ص ۴۱۵، ج ۵ میں اور غیر مقلد عالم نے عون المعبود ص ۴۸، ج ۴ میں بھی نقل کی ہے۔

اور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا (ابو داؤد مترجم ص ۲۲۰، ج ۳) اس مذکورہ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ ایک عمل

منسوخ ہو چکا تھا مگر لوگ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں کرتے رہے اور حضرت ابو بکرؓ ان کو اس لئے منع نہ کیا کہ ان کو خود نسخ کا علم نہ ہو سکتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو ان لوگوں کا اس کام کرنے کا علم نہ ہو سکا ہو اسلئے کہ وہ لوگ اپنے طور پر ایسا کرتے تھے۔

(۳) حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت ابن عمرؓ اپنے مزارع کو زمین کرایہ پر دیتے تھے اور وہ یہ کام حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کی خلافت کے ابتدائی دور تک کرتے رہے پھر ان کو حضرت رافع بن خدیجؓ نے اس سے ممانعت کی حدیث سنائی تو وہ رک گئے (مسلم ص ۱۳ ج ۲ و مسند احمد ص ۶، ج ۲) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جیسی شخصیت جن کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو بکثرت روایات کرنے والے ہیں مگر انکو بھی عرصہ دراز تک اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو سکا۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے اس عمل کا علم حضور ﷺ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو نہ ہو سکا اسلئے کہ ان کو تو تب معلوم ہوتا جب ان کی خدمت میں معاملہ پیش کیا جاتا۔ نہ ان کے سامنے معاملہ پیش ہوا اور نہ ہی ان حضرات کو پتہ چلا۔

منسوخ اعمال پر بھی علی عہد رسول اللہ ﷺ ہونے کا ذکر آتا ہے

جو اعمال منسوخ ہو چکے ہوتے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی بعض دفعہ حضرات صحابہ کرامؓ فرمادیتے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ اور آگے اسکی وضاحت بھی کوئی نہیں ہوتی کہ اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ اسکی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ام المئومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کان فیما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحر من ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللہ وھی فیما یقرأمن القران (مسلم ص ۴۶۹، ج ۱) کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل کیا گیا تھا کہ دس بار دودھ چوسنے کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے پھر اسکو منسوخ کر کے پانچ بار چوسنے سے حرمت کا حکم اتارا گیا تو حضور ﷺ کی وفات بھی ہو گئی اور قرآن میں یہ پڑھا جاتا تھا۔ اس روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی قرآن کریم میں خمس رضعات کی تلاوت کی جاتی رہی اور اس میں ذرا بھی وضاحت نہیں کی گئی کہ خمس

رضعات کی تلاوت بھی منسوخ ہو چکی تھی، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں ومعناہ ان النسخ بخمس رضعات تاخر انزالہ جداحتی انہ ﷺ تو فی و بعض الناس یقرأ خمس رضعات ویجعلھا قرانا متلوا الکونہ لم یبلغہ النسخ بقرب عھدہ فلما بلغھم النسخ بعد ذالك رجعوا عن ذالك وا جمعو اعلی ان ھذالا یتلی. (نووی شرح مسلم ص ۴۶۸، ج ۱) اور اس کا معنی یہ ہے کہ خمس رضعات کے منسوخ ہونے کا حکم بالکل آخری دور میں ہوا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے وفات پائی اور بعض لوگ اسکو قرآن کریم کا حصہ قرار دیتے ہوئے اسکی قرأت بھی کرتے تھے اسلئے کہ ان کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوا تھا۔ تو جب ان کو علم ہوا تو رک گئے اور اس پر اجماع ہوا کہ اسکی تلاوت نہیں کی جاسکتی اور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے (السراج الوہاج شرح مسلم ص ۵۷۷، ج ۱) اور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ خمس رضعات کی قرأت آخر وقت میں منسوخ ہو گئی مگر چونکہ زمانہ اس کے نسخ کا حضرت کی وفات سے بہت قریب تھا اس لئے اس کے نسخ کی کیفیت کسی کو معلوم ہوئی کسی کو نہ معلوم ہوئی۔ اور بعد مشہور ہونے نسخ کے پھر سب نے اجماع کیا کہ اس کو قرآن میں نہ پڑھنا چاہئے۔ (مسلم مترجم ص ۶۸، ج ۴)

(۲) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کنا نتمتع علی عھد رسول اللہ بالثوب (مسند احمد ص ۲۲ ج ۳) کہ ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں کپڑے کے بدلے میں متعہ کیا کرتے تھے۔

(۳) حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کنا علی عھد رسول اللہ نستمتع بالقبضۃ من الطعام (ابو داؤد ص ۲۸۷ ج ۱) کہ ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک مٹھی بھر طعام کے بدلہ میں متعہ کیا کرتے تھے۔

(۴) حضرت عطاؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ عمرہ کیلئے تشریف لائے تو ہم ان کے ٹھکانے میں ان کے پاس گئے تو لوگوں نے ان سے کچھ باتیں دریافت کیں پھر انھوں نے متعہ کا ذکر کیا تو حضرت جابرؓ نے فرمایا نعم استمتعنا علی عھد رسول اللہ ﷺ وابی بکر و عمر (مسلم ص ۴۵۱ ج ۱) ہاں ہم نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور

حضرت عمرؓ کے زمانے میں متعہ کیا کرتے تھے۔اس پر امام نوویؒ فرماتے ہیں **هذا محمول علی ان الذی استمتع فی عهد ابی بکر و عمر لم یبلغه النسخ** (نووی شرح مسلم ص ۴۵۱ ج ۱) یہ اس پر محمول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں وہ لوگ متعہ کرتے تھے جن کو نسخ کا علم نہ ہوا تھا۔اور غیر مقلد نواب صدیق حسن خانؒ یہ عبارت لکھ کر آگے لکھتے ہیں **وانما نهی عنه عمر حین بلغه النسخ** (السراج الوہاج ص ۵۲۴ ج ۱) اور حضرت عمرؓ کو جب اس کے نسخ کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے منع کیا۔اور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کو نسخ نہیں پہنچا وہ لوگ کرتے رہے اور جن کو نسخ پہنچ گیا وہ حرمت کے قائل ہوئے اور بچتے رہے (مسلم مترجم ص ۱۶ ج ۴)

ان روایات میں منسوخ اعمال کا تذکرہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں یہ ہوتے رہے مگر اس کی کوئی وضاحت نہیں کہ ان اعمال کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔

اس ساری بحث سے یہ بات روز روشن کیطرح واضح ہو جاتی ہے کہ علی عهد رسول اللہ ﷺ کا یہ مطلب لینا کہ حضور علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا تو یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

اسی بحث کی روشنی میں دیکھیں کہ حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں بھی علی عهد رسول اللہ ﷺ کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہو سکتا کہ حضور علیہ السلام تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا فیصلہ فرماتے تھے اسلئے کہ یہ نص قرآنی اور صحیح احادیث کے مفہوم کے بالکل خلاف ہے۔

دو ٹوک بات۔

ہم نے دلائل کے ساتھ بتا دیا کہ علی عهد رسول ﷺ کا یہ مطلب ہر گز نہیں بنتا کہ حضور علیہ السلام فیصلہ فرماتے تھے۔اس کے باوجود اگر غیر مقلدین حضرات کو اصرار ہے کہ نہیں حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں یہی مراد ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں یہ فیصلہ کیا کرتے تھے تو ہماری گذارش ہے کہ ان تینوں شخصیات کے ادوار میں صرف ایک ایک واقعہ صحیح سند کے ساتھ واضح الفاظ میں ثابت کر دیں کہ فلاں فیصلہ حضور علیہ السلام نے اپنے دور میں فرمایا۔فلاں فیصلہ اس کے متعلق حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دور میں۔اور فلاں فیصلہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت کے ابتدائی ایام میں فرمایا۔تب ان کا دعوی درست ہو سکتا ہے ورنہ یہ ہوائی قلعہ میں خود کو بیشک

محفوظ سمجھتے رہیں اہل علم ان کی پوزیشن خوب جانتے ہیں۔**ھا توا بر ھا نکم ان کنتم صادقین.**

خوشنما لیبل۔

طلاق کے مسئلہ میں غیر مقلدین حضرات نے علی عهد رسول اللہ ﷺ کا خوشنما لیبل صرف سادہ لوح مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے استعمال کرنا شروع کر رکھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کو علی عهد رسول اللہ ﷺ کی ذرا بھی قدر اور رتی بھر احساس ہوتا تو اسکی لاج رکھتے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے **ان المسجد کان علی عهد رسول الله ﷺ باللبن و سقفه الجرید و عمده خشب النخل فلم یزد فیه ابوبکرؓ شیئا و زاد فیه عمرؓ** (مسند احمد ص ۱۳۰ ج ۲) بیشک نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد کچی اینٹوں کی تھی اور اسکی چھت کھجور کی ٹہنیوں کا اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے اس میں کچھ اضافہ نہ کیا اور حضرت عمرؓ نے اضافہ تو کیا مگر اسی انداز کی بنائی جیسے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھی۔ پھر حضرت عثمانؓ اپنے دور میں اسکو پختہ اور خوبصورت انداز میں بنایا۔ اگر غیر مقلدین کو علی عهد رسول ﷺ کا اتنا ہی خیال ہے تو پھر کیوں تین تین منزلہ اور اونچے میناروں والی پختہ مساجد تعمیر کرتے جا رہے ہیں اسی طرح کی مساجد بنائیں جیسے حضور علیہ السلام اور حضرات شیخین کے زمانہ میں تھی۔ اور اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں۔ ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

دوسرا مغالطہ۔ کیا حضرت عمرؓ کو حکم شرعی منسوخ کرنے کا اختیار تھا؟

یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نہ تو کسی ایسے شرعی حکم کو تبدیل کیا جس کی وضاحت حضور نبی کریم ﷺ سے ہو چکی ہو اور نہ ہی ان کو ایسا کرنے کا اختیار تھا۔ ایسے مسائل جن میں حضرات صحابہ کرامؓ کی آراء مختلف پائی جاتی تھیں ان میں باہمی مشورہ کے بعد ان مسائل میں راجح اور قابل قبول صورت کو متعین کیا جاتا رہا اور منسوخ پر عمل کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ان میں سے بعض مسائل ایسے ہیں جن میں بحث و مذاکرہ کے وقت ناسخ

دلیل بالکل واضح صورت میں سامنے آگئی جیساکہ متعہ یا انزال کے بغیر جماع کی صورت میں
غسل کا وجوب اور اس قسم کے کئی دیگر مسائل ہیں۔ اور بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن میں
ترجیح کی ایسی مخفی صورت پائی جاتی ہے جو غور و فکر کے بعد ہی معلوم کی جا سکتی ہے جیسا کہ
شراب کی حد کے بارہ میں اسی کوڑوں کی تعیین وغیرہ۔

غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کی کوئی حد
مقرر نہیں کی بلکہ چالیس کوڑے سے لے کر اسی کوڑے تک آپ مارنے کا حکم دیا کرتے
(حاشیہ ابو داؤد مترجم ص ۱۰۴ ج ۳) اور صاحب عون المعبود امام نوویؒ سے نقل کرتے ہیں
کہ روایت میں جو الفاظ ہیں ضرب بجر ید تین نحوار بعین کہ دو ٹہنیوں کے ساتھ
چالیس ماریں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس جملہ کا معنے یہ کیا ہے کہ دو
علیحدہ علیحدہ ٹہنیوں کے ساتھ چالیس کی تعداد پوری کی۔ اور دوسرے حضرات نے کہا کہ
بیک وقت دو ٹہنیوں کے ساتھ چالیس ماری گئیں تو یہ اسی ہو گئیں (عون المعبود ص
۲۷۸۔۲۷۹ ج ۴) حضرت عمرؓ کو تعزیر کا تو اختیار تھا مگر حد مقرر کرنے کا اختیار نہیں تھا
اسلئے جب انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے سخت پہلو متعین کرنے کا ارادہ
فرمایا تو آپ ﷺ سے ثابت شدہ عمل کو ہی متعین کیا اپنی طرف سے کوئی حد مقرر نہیں کی۔
اور نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ مختلف سزاؤں میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کا حضرات
خلفاء راشدین کو اختیار تھا۔ تو شراب کی حد حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے نہیں بڑھائی
بلکہ آپ ﷺ سے اس بارہ میں ثابت شدہ افعال میں سے ایک کو متعین کیا ہے۔ حالانکہ عام
طور پر یہی مشہور کر دیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے شراب کی حد مقرر کی۔ اور بعض
روایات میں ہے کہ ایسے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے جب حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا
تو حضرات علیؓ نے فرمایا کہ آدمی جب شراب پیتا ہے تو واہی تباہی بکتا ہے اور لوگوں پر تہمت
بھی لگاتا ہے اور حد قذف اسی درے ہیں اس لئے شراب کی بھی یہی سزا مقرر کر دینی
چاہئے (دارقطنی ص ۳۵۴ ج ۲، موطا امام مالک ص ۳۵۷ وغیرہ)

اسی طرح حضرت عمرؓ کی دینی امور میں پابندی، علمی فوقیت، حضرات صحابہ کرامؓ سے اہم
امور میں مشاورت غلطی پر آگاہی پر اسکی اصلاح اور حضرات صحابہ کرامؓ کو اگر ان کے بارہ میں

غلط فہمی ہو جاتی تو برملا ان کے ٹوک دینے جیسی صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک
مسلمان آدمی کا دل یقین رکھتا ہے کہ تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دینے کا فیصلہ
صرف سیاسی طور پر نہ تھا بلکہ ان دلائل کی وجہ سے تھا جن پر مدار رکھ کر انہوں نے حضرات
صحابہ کرام کی موجودگی میں تین طلاقوں کو ایک قرار دینے سے منع کر دیا اور ان دلائل کی
وضاحت حضرات علماء امت نے جمہور امت کے نظریہ کی تائید میں اپنی کتابوں میں کی
ہے۔ جو قرآنی اشارات اور واضح احادیث کی صورت میں موجود ہیں۔ اسی لیے علامہ ابن حجرؒ
فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو اس لئے لے لیا گیا ہے کہ اس
پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا تھا **قلنا انمایقبل ذالك لانه یستدل یا جماعهم
علی ناسخ واماانهم ینسخون من تلقاء انفسهم فمعاذ الله لانه اجماع علی
الخطاء وهم معصومون عن ذالك** (فتح الباری ص ۲۷۹ ج ۱۱) تو ہم جواب میں کہیں
گے کہ انکی یہ اجماعی بات اسلئے قبول کی گئی ہے کہ ان کا اجماع دلالت کرتا ہے کہ ان کے پاس
ناسخ دلیل تھی ورنہ وہ خود معاذ اللہ منسوخ نہیں کر سکتے تھے۔ اسلئے کہ اس صورت میں اجماع
خطاء پر ہوتا اور حضرات صحابہ کرامؓ اس سے معصوم ہیں۔

اگر غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب امہات الاولاد کی بیع کی ممانعت کے سلسلہ
میں حضرت عمرؓ پر اعتماد کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو
گا (ابو داؤد مترجم ص ۲۲۰ ج ۳) تو طلاق کے مسئلہ میں کیوں اعتماد نہیں کرتے۔ جبکہ جس
روایت کو غیر مقلدین اپنے نظریہ پر پیش کرتے ہیں اس کے مرکزی راوی حضرت ابن
عباسؓ، حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ میں شامل تھے اور وہ اپنی مروی روایت کے برعکس فتوی
دیتے رہے۔

حضرت عمرؓ کا علمی مقام۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ حضرات صحابہ کرامؓ کو اپنا خواب سنایا کہ میں نے خوب سیر
ہو کر دودھ پیا پھر باقی ماندہ میں نے عمرؓ کو دے دیا حضرات صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ حضرت
اسکی تعبیر کیا ہے تو فرمایا اس سے مراد علم ہے۔ (بخاری ص ۵۲۰ ج ۱) حضور نبی کریم ﷺ
نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں کچھ محدث لوگ ہوتے تھے اگر میری امت میں سے کوئی ہوا تو

عمرؓ ہو گا (بخاری ص ۵۲۱ ج ۱) اور بخاری شریف کے اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر ۸ میں لکھا ہے (۱) محدث اسکو کہتے ہیں جس کے دل میں ملأ اعلی کے فرشتوں کی جانب سے بات ڈالی جاتی ہے (شاید یہی وجہ ہے کہ قرآنی آیات کے نزول سے پہلے ہی ان آیات کے احکامات کی خواہش حضرت عمرؓ کے دل میں پیدا ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ عورتوں کیلئے پردہ کا حکم، شراب کی حرمت اور حضرت عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی وغیرہ جیسے بیسیوں احکام ایسے ہیں کہ ان کے نزول سے پہلے ہی حضرت عمرؓ نے ان احکام کی خواہش ظاہر فرمائی۔ قارن (۲) محدث اسکو کہتے ہیں جس کی زبان پر حق اور صحیح بات ہی جاری ہو خواہ وہ اس کا ارادہ نہ بھی کرے۔ (۳) محدث اس کو کہتے ہیں کہ وہ نبی تو نہ ہو مگر اس کے باوجود فرشتے اس کے ساتھ ہمکلام ہوں۔

حضرت عمرؓ کی دینی امور میں پابندی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو اپنی خواب سنائی کہ میں نے لوگوں کو دیکھا تو ان میں بعض کی قمیصیں چھاتیوں تک تھیں اور بعض کی اس سے کچھ نیچے اور جب میرے سامنے عمرؓ کو پیش کیا گیا تو اسکی قمیص اتنی لمبی تھی کہ وہ اسکو گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے اس کی تعبیر پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد دین ہے۔ (بخاری ص ۵۲۱، ج ۱)

حضرت عمرؓ کے سامنے جب حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی **لانفقة ولاسكنى** والی روایت پیش کی گئی تو فرمانے لگے۔ **ماكنا لندع كتاب ربنا و سنة نبينا ﷺ لقول امرأة** (ابوداؤد ص ۳۱۳ ج ۱) کہ ہم ایک عورت کی بات کیوجہ سے اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس مفہوم کی روایت مسلم ص ۴۸۵، ج اور ترمذی ص ۲۲۳، ج ۱ وغیرہ میں بھی ہے۔

حضرت عمرؓ کا حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنا۔

حضرت عمرؓ حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر کے ہی اہم امور سرانجام دیا کرتے تھے اور طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں بھی مشورہ کر کے فیصلہ کیا تھا جس پر تمام صحابہ کرامؓ نے اتفاق کیا۔ کسی صحیح روایت سے کسی صحابی کا اس بارہ میں اختلاف منقول نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کو اگر غلطی پر آگاہ کیا جاتا تو وہ اسکی اصلاح کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مجنونہ عورت جس نے زنا کیا تھا۔ اس کو پکڑ کر حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کر کے اسکو رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب رجم کرنے کیلئے لے جانے والوں کے پاس سے حضرت علیؓ گزرے تو انھوں نے پوچھا کہ اس کو کہاں لے جا رہے ہو تو ان لوگوں نے بتایا کہ اس کو رجم کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو واپس لے جاؤ پھر وہ خود تشریف لائے تو فرمایا اے امیر المومنین کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی وہ مکلف نہیں ان میں سے ایک مجنون، دوسرا سویا ہوا اور تیسرا نابالغ بچہ ہے تو یہ عورت بھی مجنونہ ہے اس کو کیوں سزا دے رہے ہو تو حضرت عمرؓ نے اس عورت کو رہا کر دیا۔ **فجعل عمر يكبر** (ابوداؤد ص ۲۴۸ ج ۲) پھر حضرت عمرؓ نے (خوشی سے) کلمہ تکبیر کہنا شروع کر دیا۔ اور بعض روایت میں ہے کہ ایسے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے فرمایا **لولا علي لهلك عمر** اگر علی نہ ہوتے تو عمر برباد ہو جاتا۔

اسی طرح ایک روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر کہا اے امیر المومنین میں اپنی عورت سے دو سال غائب رہا تو جب میں واپس آیا تو وہ حاملہ تھی یعنی میرے خیال میں اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے مشورہ کر کے عورت کے رجم کا فیصلہ کیا تو وہاں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے وہ کہنے لگے اے امیر المومنین آپ عورت کو تو سزا دے سکتے ہیں مگر اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اسکو کیوں سزا دے رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے وقتی طور پر اس عورت کو رہا کر دیا اور فرمایا کہ جب یہ بچے کو جنم دیدے تو پھر اس کو لے کر آنا۔ جب اس عورت نے بچے کو جنم دیا تو وہ اپنی ماں کے پیٹ میں اتنی دیر رہا تھا کہ اس کے سامنے والے دانت نکل چکے تھے اور اس بچے کی شکل بھی باپ کی طرح تھی تو وہ آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آکر کہنے لگا رب کی قسم وہ بچہ میرا ہی ہے (یعنی وہ عام عادت سے زائد ماں کے پیٹ میں رہا ہے) تو جب یہ صورت حال حضرت عمرؓ نے دیکھی تو فرمایا کہ عورتیں معاذ جیسا بچہ جننے سے عاجز آگئی ہیں **لولا معاذ هلك عمر** (دارقطنی ص ۳۲۲، ج ۳) کہ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر برباد ہو جاتا۔ اور حضرت عمرؓ کو منبر پر بیٹھے ہوئے روکا جاتا ہے کہ خطبہ تب سنیں گے جب آپ یہ بتائیں گے کہ جو کرتہ آپ نے پہنا ہوا ہے وہ کہاں سے آیا۔ حضرت عمرؓ کی بعض ذاتی

آراء و فقہی و جزئی مسائل میں اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر جو معاملات انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے طے کر کے اجماعی حیثیت میں نافذ فرمائے ان میں ان کی علمی حیثیت، دین داری اور حضرات صحابہ کرامؓ سے مشاورت وغیرہ جیسے مجموعی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقلدین تو دل کی گہرائیوں سے اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے قرآن و سنت سے جو کچھ سمجھا اور حضرات صحابہ کرام نے ان کی تائید کی وہی قرآن و سنت کی تعبیر ہے اور اسی کی وجہ سے انہوں نے تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا۔ جبکہ حضرات محدثین کرامؒ میں سے بہت سے حضرات نے عنوان ہی یوں قائم کیا ہے کہ پہلے تین طلاقوں کے بعد رجوع درست تھا بعد میں منسوخ ہو گیا جیسے ابو داؤد ص ۲۹۸ ج ۱ میں ہے باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث (اور اسی طرح نسائی ص ۱۰۳ ج ۲) تین طلاقوں کے بعد رجوع کے منسوخ ہونے کا بیان۔ اسلئے ہمارا تو شرح صدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرام کی اجتماعی رائے کے ساتھ جو فیصلہ کیا وہ قرآن و سنت کے بالکل مطابق تھا۔ انہوں نے حکم شرعی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ ان کے پاس ناسخ دلیل تھی جسکی وجہ سے انہوں نے اس کے منسوخ پر عمل کرنے سے منع کر دیا۔ غیر مقلدین حضرات اگر امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیمؒ کی پیروی میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو غلط قرار دیتے ہیں تو ان کا ایمان واعتقاد۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

تیسرا مغالطہ کہ حضور علیہ السلام کے فیصلہ پر عمل کرنا چاہیئے نہ کہ حضرت عمرؓ کے۔

یہ تاثر بھی بالکل غلط دیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا وہ حضور علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف تھا اسلئے کہ ٹھوس دلائل اس پر موجود ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے تین طلاقوں کو تین ہی نافذ کیا تھا۔ تفصیل کیلئے عمدۃ الاثاث اور علامہ کوثریؒ کی الاشفاق فی احکام الطلاق اور خیر الفتاوی کی پانچویں جلد کا ضرور مطالعہ کریں۔

چوتھا مغالطہ کہ آخر عمر میں حضرت عمرؓ اپنے فیصلے پر نادم ہو گئے تھے۔

غیر مقلدین حضرات علامہ ابن القیمؒ کی ایک عبارت پیش کر کے مغالطہ دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ آخر عمر میں طلاق کے مسئلے میں اپنے فیصلہ پر نادم ہو گئے تھے۔ علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں قال الحافظ ابو بکر الاسماعیلی فی مسند عمر اخبر نا ابو یعلی حدثنا

صالح بن مالك حد ثنا خالدین یزید بن ابی مالك عن ابیه قال قال عمر بن الخطابؓ ما ندمت علی شیئی ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق وعلی ان لا اکون انکحت الموالی وعلی ان لا اکون قتلت النوائح (اغاثة اللهفان ص ۳۵۱ ج ۱) کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے جتنی ندامت تین چیزوں پر ہوئی ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں ہوئی۔ ایک اس پر کہ میں نے طلاق کو حرام نہ کیا ہوتا اور دوسری اس پر کہ میں نے موالی میں نکاح نہ کیا ہوتا اور تیسری اس پر کہ میں نے نوحہ کرنے والی عورتوں کو مار ڈالا ہوتا۔ اول تو اسکی سند میں خالد بن یزید راوی ہے جسکی وجہ سے اس روایت کو قبول ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر بالفرض یہ روایت ثابت بھی ہو تو جو مفہوم علامہ ابن القیمؒ نے لیا ہے اور غیر مقلدین حضرات اسکو بیان کرتے ہیں اس کا نہ تو روایت میں کوئی قرینہ ہے اور نہ ہی الفاظ اس مفہوم کا ساتھ دیتے ہیں اسلئے کہ الفاظ ہیں ان لا اکون حرمت الطلاق کہ میں نے طلاق کو حرام نہ کیا ہوتا تو حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا تھا اسمیں تین طلاقوں کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ نافذ اور جاری کیا تھا۔ روایات میں اجاز اور امضا کے الفاظ ہیں (ملاحظہ ہو مسلم ص ۴۷۸ ج ۱ اور مسند احمد ص ۳۱۴ ج ۱ وغیرہ) اور اگر یہ تاویل کریں کہ حرمت الطلاق کا مطلب یہ ہے تین طلاقوں کے بعد رجوع کو حرام کیا تھا تو یہ تاویل ظاہر الفاظ سے بالکل متصادم ہے۔ بظاہر الفاظ سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ جسطرح بعد والے دو افعال انکحت الموالی اور قتلت النوائح ان کے ذاتی افعال ہیں اسی طرح یہ بھی کوئی ذاتی نوعیت کا فعل ہے۔ اس کا دوسرے لوگوں پر جاری کرنے کا تعلق نہیں ہے۔

پھر علامہ ابن القیمؒ جیسا صاحب علم اور ذہین آدمی اس روا روی میں یہ بات بھی بالکل نہ سوچ سکا کہ جب وہ حضرت عمرؓ کو مجتہد قرار دے رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا تھا تو کیا اگر مجتہد کو اپنے اجتہاد کے خلاف قوی دلیل مل جائے تو کیا اس کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ وہ نادم ہو اور اپنے اجتہادی فیصلہ کو بھی برقرار رکھے۔ بلکہ اصول کے مطابق مجتہد کے لئے واجب اور ضروری ہو جاتا ہے کہ جس دلیل پر اپنے اجتہادی مسئلہ کا مدار رکھا تھا اگر اس سے قوی دلیل اسکو مل جائے تو وہ اپنے پہلے اجتہادی نظریہ کو چھوڑ دے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات ائمہ کرام مجتہدین کے ایک ہی حادثہ میں کئی کئی اقوال ملتے ہیں۔ پہلے ایک نظریہ

اپنایا پھر اس سے قوی دلیل مل گئی تو اس کو چھوڑ کر دوسرا نظریہ اختیار کر لیا۔ اگر واقعتاً
حضرت عمرؓ نادم ہوگئے تھے تو ان کو کس نے روکا تھا کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی نہ کریں۔
بلکہ ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ پہلا حکم منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کرتے اسلئے کہ ان
ہی کی پیروی میں ان کے زیر نگرانی قاضیوں اور مفتیوں نے اور پھر ان کے بعد دیگر خلفاء
راشدینؓ نے فیصلہ جات کرنے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنا پہلا حکم منسوخ کر کے دوسرا
حکم جاری نہیں کیا اور قطعاً نہیں کیا تو یہ بات اٹل ہے کہ یہ روایت اور اس روایت کا غیر
مقلدین حضرات کی جانب سے بیان کردہ مفہوم بالکل من گھڑت ہے۔ جناب محمدی
صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ قانون
سازی کی ہے حضرت عمرؓ نے تین طلاقوں کو جائز قرار دیا تھا یہ کہاں ہے یہ تو ہم نے آج تک
نہیں پڑھا الخ تو عرض ہے کہ ہم نے مسند احمد ص ۳۱۴، ج ۱ اور مسلم ص ۴۷۸، ج ۱
سے یہ الفاظ نقل کر دیئے ہیں فَاَجَازَ اور فَاَمْضَا کہ اس کو جائز کیا اور ان کو نافذ کیا۔ اس سے
زیادہ وضاحت کیا چاہیئے۔

پھر جناب محمدی صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا بعد میں انہوں (حضرت عمرؓ) نے کہا
تھا کہ ہمیں یہ چاہئے تھا کہ ہم ویسے کہتے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا چونکہ حرام ہے اسلئے کوئی
نہ دے ہمیں یہ پابندی لگانی چاہئے تھی شاید لگ جاتی قانون سازی نہیں کی الخ تو ہم بصد
ادب واحترام جناب محمدی صاحب اور ان کے طبقہ سے گذارش کرتے ہیں کہ کسی ایک معتبر
حوالہ سے یہ الفاظ حضرت عمرؓ کے ثابت کر دیں کہ انہوں نے یہ الفاظ فرمائے ہوں۔ اور اگر
ثابت نہ کر سکیں اور یقیناً ثابت نہ کر سکیں گے تو پھر ہماری گذارش یہ ہے کہ قرآن وسنت کے
نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا میں مبتلا کرنے کی عادت ترک کر دیں اور اپنے بے بنیاد
نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے بزرگان دین کی جانب غلط باتیں منسوب نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ صحیح
راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پانچواں مغالطہ۔ کہ جب تین طلاقیں اکٹھی دینا ناجائز ہے تو پھر نافذ کیوں مانتے ہیں؟
غیر مقلدین حضرات کا یہ کہنا بھی صرف ظاہری طور پر ہے اور مغالطہ دینے کیلئے ہے ورنہ
تین طلاقیں اکٹھی دینے کی صورت میں علی الاطلاق اس کے نفاذ کا انکار تو وہ بھی نہیں کرتے

اسلئے کہ ان کے علی الاطلاق انکار کا نظریہ تو شیعہ حضرات کا ہے۔ غیر مقلدین حضرات تین
طلاقوں کو نافذ مانتے ہیں مگر ایک قرار دے کر۔ مقلدین حضرات تین طلاقوں کو تین ہی نافذ
مانتے ہیں اور غیر مقلدین تین طلاقوں کو ایک نافذ مانتے ہیں۔ یا تو شیعہ کی طرح صاف کہیں
کہ نافذ نہیں ہوتیں۔ جب یہ نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ایک نافذ ہوتی ہے تو نافذ ہونا تو
مان لیا پھر اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ ہر ممنوع چیز کا حکم فاسد
نہیں ہوتا بلکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ممنوع ہونے کے باوجود ان کا حکم پایا جاتا ہے۔ اور
احادیث میں اسکی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

(۱) حضرت ابو ھریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نهى ان يستام الرجل
على سوم اخيه (مسلم ص ۳ ج ۲) اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرنے سے منع فرمایا ہے
امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ ایک آدمی کے سودا کرنے کے دوران سودا کرنا
منع ہے فلو خالف وعقد فهو عاص وينعقد البيع (نووی شرح مسلم ص ۳ ج ۲) اگر
کسی نے مخالفت کی اور ایسا عقد کر لیا تو گنہگار ہوگا مگر بیع منعقد ہو جائیگی۔ اور اسی کے
مطابق نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے السراج الوہاج ص ۷ اج ۲ میں کہا ہے۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں نهى رسول الله ان يتلقى
الركبان وان يبيع الحاضر لباد (مسلم ص ۴ ج ۲) نبی کریم ﷺ نے تلقی رکبان سے اور
اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کا سامان بیچے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں ولو
خالف وباع الحاضر للبادى صح البيع مع التحريم (نووی شرح مسلم ص ۴ ج ۲)
اور اگر کسی نے مخالفت کی اور شہری نے دیہاتی کا سامان بیچا تو حرام ہونے کے باوجود بیع صحیح
ہوگی۔ اور اسی کے مطابق نواب صدیق حسن خان صاحب نے السراج الوہاج ص ۱۸ ج ۲)
میں اور مبارکپوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی ص ۲۳۱ ج ۲) میں کہا ہے۔

(۳) تلقی رکبان سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس کے باوجود نواب صاحب
فرماتے ہیں کہ ظاہر بات تو یہی ہے کہ اس نہی کے باوجود بیع فاسد نہیں ہوتی (السراج
الوہاج ص ۱۷ ج ۲) اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں فيه دليل على صحة البيع
(تحفۃ الاحوذی ص ۲۳۱ ج ۲)

(۴) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ ﷺ نھی عن النجش (مسلم ص ۳ ج ۲) بیشک نبی کریم ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں وھذا حرام بالاجماع والبیع صحیح (السراج الوہاج ص ۱۶، ج ۲) کہ نجش بالاجماع حرام ہے مگر اس کے باوجود سے بیع صحیح ہے۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں احادیث میں ملتی ہیں اسلئے یہ جاننا کہ کس قسم کی ممانعت میں حکم کا فساد آتا ہے اور کس قسم کی ممانعت کے ساتھ حکم کا فساد نہیں آتا ان معلومات کیلئے حضرات فقہاء کرام کی خدمت میں حاضری دینا اور انکی خوشہ چینی کی ضرورت ہے۔

چھٹا مغالطہ۔ کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت مسلم شریف میں ہے اور صحیح ہے اسکو نہیں چھوڑنا چاہئے۔

غیر مقلدین حضرات کا یہ بھی صرف مغالطہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خود غیر مقلد عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی صاحبؒ نے اس روایت پر دس اعتراضات کئے ہیں۔

(۱) اس روایت میں مجلس واحد کا ذکر ہی نہیں اور مسند احمد کی جس روایت میں مجلس واحد کا ذکر ہے وہ صحیح نہیں۔ (۲) محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ (۳) اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ یہ تین طلاقوں والے مقدمات رسول اللہ ﷺ اور شیخین کے سامنے پیش ہو کر فیصلہ ہوتا تھا اور یہ کسی روایت میں نہیں ہے۔ (۴) مسلم شریف ہی کی حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ متعہ کیا کرتے تھے تو پھر متعۃ النساء بھی جائز ہوا۔ (۵) اس حدیث پر محدثین نے اور بھی کئی وجوہ سے کلام کیا ہے۔ (۶) محدثین کی طرف مجلس واحد میں تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں بھی کلام ہے یہ سخت مغالطہ ہے۔ (۷) محدثین نے مسلم کی حدیث مذکورہ کو شاذ بھی بتایا ہے۔ (۸) اس میں اضطراب بھی بتایا ہے۔

(۹) ابن عباس کی مسلم کی حدیث مذکور مرفوع نہیں یہ بعض صحابہ کا فعل ہے جن کو نسخ کا علم نہ تھا۔ (۱۰) یہ حدیث بظاہر کتاب و سنت صحیحہ و اجماع صحابہ وغیرہ ائمہ محدثین کے خلاف ہے لہذا حجت نہیں (تفصیل کیلئے دیکھیں فتاوی ثنائیہ ص ۲۱۶ تا ۲۲۰، ج ۲) غیر مقلد

الحدیث صاحب کا یہ بیان اس وقت کا ہے جبکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفیؒ، محدث لوی اور مولانا عبدالقادر روپڑیؒ جیسی شخصیات موجود تھیں مگر کسی کو بھی اپنے اس شیخ یث صاحب کو مطمئن کر کے اس بیان سے رجوع پر آمادہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ابن تیمیہؒ نے جب تین طلاقوں کو ایک شمار کرنیکا فتوی دیا تو اس وقت جن علماء نے انکی تردید کی ان میں حافظ شمس الدین ذہبیؒ بھی ہیں جن کو جرح و تعدیل اور فن حدیث ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے بھی حضرت ابن عباس کی اسی مسلم شریف والی یت کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ اگر یہ روایت فی الواقع امام ابن تیمیہؒ کے نظریہ کی دلیل بن ی تو پھر علامہ ذہبیؒ انکی مخالفت نہ کرتے اگر ساتھ نہیں دے سکتے تھے تو کم از کم موش ہی رہتے جبکہ حال یہ ہے کہ کھل کر مخالفت کرنے والوں میں ان کا نام بھی شمار ۔ جو انکی واضح دلیل ہے کہ اس روایت سے انکا استدلال درست نہ تھا۔

اگر مسلم شریف کی حضرت ابن عباسؓ والی اس روایت کو بالکل بے غبار بھی سمجھ جائے تو فن حدیث کے رو سے پھر بھی اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ خود حضرت ابن عباسؓ اپنی مروی اس روایت کے خلاف فتوی دیتے تھے تو یہ اس بات کی ل ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک بھی منسوخ تھی۔ چنانچہ انما الماء من الماء والی ایت پر بحث کرتے ہوئے محدث مبارکپوریؒ فرماتے ہیں۔ کہ جن صحابہ کرامؓ سے یہ ایت ہے کہ ان کے فتوے اس کے خلاف پائے جاتے ہیں تو بعض حضرات نے اس وجہ اس روایت کو شاذ کہا تو محدث مبارکپوریؒ جواب دیتے ہیں کہ روایت سند کے اتصال اور اۃ کے حفظ کی وجہ سے ثابت ہے باقی رہا یہ کہ خود روایت کرنے والوں کے فتوے اس کے ف ہیں تو انکی وجہ سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا لاحتمال انہ ثبت دھم ناسخۃ فذھبوا الیہ وکم من حدیث منسوخ وھو صحیح من حیث صناعۃ الحدیثیۃ انتھی کلامہ (تحفۃ الاحوذی ص ۱۱۲، ج ۱) اسلئے کہ یہ احتمال ہے کہ کے پاس ناسخ دلیل ہو انھوں نے اسکو لے لیا ہو، اور کتنی ہی احادیث ایسی ہیں جو منسوخ مگر فن حدیث کے لحاظ سے وہ صحیح ہیں۔

لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ روایت بے غبار بھی ہے تب بھی ناقابل استدلال ہے اسلئے کہ

حضرت ابن عباسؓ خود اس کے خلاف فتوی دیتے تھے۔

ساتواں مغالطہ۔ کہ احناف اس بات کے قائل ہیں کہ بوقت ضرورت دوسرے ائمہ کے
مسلک کے مطابق فتوئی دیا جاسکتا ہے تو ایسی حالت میں غیر مقلدین حضرات کے فتوے
کیوں تسلیم نہیں کرتے۔

اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مذھب کے مطابق عمل کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ ا
سے اپنے مذھب کی رو سے کوئی کراہت لازم نہ آتی ہو (ردالمختار ص ۱۳۷ ج ۱) اور طلا
ثلاثہ کے مسئلہ میں کراہت نہیں بلکہ کھلم کھلا حرمت لازم آتی ہے ۔صرف اپنی خواہشا
نفسانیہ کی خاطر اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ ا
عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا کہ ایک آدمی نے طلاق کے ساتھ قسم اٹھائی کہ م
شادی نہیں کروں گا، پھر اس کو شادی کرنے کا خیال ہوا تو جو فقہاء اس مسئلہ میں اجاز
دیتے ہیں تو کیا وہ آدمی ان کے قول پر عمل کر سکتا ہے۔ تو عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا
اگر اس صورت حال میں مبتلا ہونے سے پہلے بھی اس نظریہ کو حق سمجھتا تھا، تو اس کے
ان کے قول کے مطابق عمل کرنا درست ہو گا، اور اگر اس سے پہلے اس نظریہ کو پسند نہیں
کرتا تھا، اور اس صورت حال میں مبتلا ہو کر پسند کرنے لگ گیا ہے **فلاارى له ذالك**
(ترمذی ص ۲۲۳، ج ۱) تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہو گا۔

اسلئے ہم کہتے ہیں کہ جس کا نظریہ ہی یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں اور اسی نے ا
بیوی کو تین طلاقیں دیں تو وہ بیشک ان علماء سے فتوئی لے جو تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں
اور اگر طلاقیں دینے سے پہلے وہ تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا قائل نہیں تھا تو اس
لئے ایسے مفتیوں کا فتوئی بالکل درست نہیں ہوگا جو تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں اس لئے
یہ محض خواہش نفس کی تکمیل ہے۔

آٹھواں مغالطہ۔ نادانی اور جہالت سے بیک وقت تین طلاقیں دینے والا جب غیر مقلدین علم
کرام کے پاس جاتا ہے تو وہ اسکو حلالہ سے یوں ڈراتے ہیں جس طرح عورتیں بچوں کو
قاف کے جنات اور پریوں کے واقعات سنا کر ڈراتی ہیں حالانکہ حلالہ سے انکار خود غ
مقلدین حضرات کو بھی نہیں ہے چنانچہ غیر مقلد عالم سے سوال ہوا کہ حلالہ کیا ہے اور ا

یح کیا ہے تو جواب دیا گیا کہ جس عورت کو تین طلاقیں ملی ہوں خواہ کئی سال میں
ہوئی ہوں وہ خاوند پر حرام ہو جاتی ہے۔ اگر دوسرا نکاح کر کے دوسرے خاوند سے
ہو جائے یہ خاوند ناموافقت کی وجہ سے اپنی مرضی سے طلاق دیدے تو پہلے خاوند کیلئے
کے ساتھ حلال ہے۔ قرآن مجید میں ہے **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح**
غیرہ یعنی اگر خاوند عورت کو تیسری طلاق دیدے تو اب اس کے لیے حلال نہیں
تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ اور جو لوگ دوسرے خاوند سے نکاح کرنے
وقت شرط کر لیتے ہیں کہ اس عورت کو تنہائی کے بعد طلاق دے دینی ہو گی یا ایک دفعہ
کو مکان کے اندر داخل کر کے دروازہ بند کر دیتے ہیں پھر جلد دروازہ کھول کر مرد کو
ق کے لیے مجبور کرتے ہیں یا طمع دی اور اس نے ڈر کے مارے یا طمع سے طلاق دے دی تو
عاً حلالہ نہیں ایسا کرنیوالے پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی
تنظیم اہلحدیث روپڑ ضلع انبالہ (فتاوٰی اہلحدیث ص ۲۲۲ ج ۳)

لہ کی تین صورتیں۔

ات علماء کرام اور شارحین حدیث نے حلالہ کی تین صورتیں بیان کی ہیں

لی صورت۔ حلالہ کی اصل صورت تو یہی ہے کہ دوسرے خاوند سے نکاح کے وقت پہلے
وند کیلئے حلال کرنے کی نہ شرط ہو اور نہ ہی اسکا ارادہ ہو۔

سری صورت۔ کہ جب دوسرے خاوند سے عورت کا نکاح کیا جارہا ہو تو پہلے خاوند کیلئے
لال کرنے کی شرط تو نہ ہو مگر پہلے خاوند یا عورت یا دوسرے خاوند میں سے کسی ایک کی نیت
لے خاوند کیلئے حلال کرنے کی ہو تو ایسی حالت میں دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح درست
مکروہ ہو گا۔ چنانچہ (غیر مقلد محدث مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں **قال الخطابى فى**
معالم اذا كان ذالك عن شرط بينهما فالنكاح فاسد لان العقد متناه الى مدة
نكاح المتعة واذالم يكن شرطا وكان نية وعقيدة فهو مكروه فان اصابها
زوج ثم طلقها فاذانقضت العدة فقد حلت للزوج الاول وقد كره غير
احد من العلماء ان يضمرا اوينو يا او احدهما التحليل وان لم يشترطاه. (تحفۃ
احوذی ص ۱۸۶ ج ۲) امام خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اگر دوسرے خاوند کے

ساتھ نکاح کے وقت پہلے خاوند کیلئے عورت کو حلال کرنے کو شرط قرار دیا ہو تو دوسرے
خاوند کے ساتھ عورت کا نکاح فاسد ہوگا۔ اسلئے کہ نکاح متعہ کی طرح اسمیں بھی نکاح کے
اختتام کی ایک مدت مقرر کی گئی ہے۔ اور اگر شرط قرار نہ دی ہو مگر نیت اور ارادہ ہو تو یہ مکروہ
ہے۔ پھر اگر نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے اس عورت سے ہمبستری کر لی پھر طلاق دیدی
اور اس عورت کی عدت گذر گئی تو پہلے خاوند کیلئے وہ عورت حلال ہو جاتی ہے۔ اور بہت سے
علماء نے کہا کہ اگر شرط نہ بھی قرار دی ہو مگر دونوں کا یا ان میں سے ایک کا ارادہ تحلیل کا ہو
تب بھی مکروہ ہے۔
اور غیر مقلد نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں **وقال الاکثر ان شرط ذالک فی العقد فسد والا فلا** (السراج الواج ص ۵۵۴ ج ۱) اگر دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح
میں تحلیل کو شرط قرار دیا ہو تو اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ نکاح فاسد ہوگا ورنہ نہیں۔ اور اس کا
اشارہ حدیث کے الفاظ میں بھی ملتا ہے کہ جب حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی
اس عورت نے دوسرے خاوند عبدالرحمٰن بن الزبیرؓ سے نکاح کر لیا تو پھر وہ عورت حضور علیہ
السلام کے پاس آئی اور دوسرے خاوند سے اپنی ناموافقت کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا
اتریدین ان ترجعی الی رفاعة (ترمذی ص ۲۱۳ ج ۱ وغیرہ) کیا تو رفاعہ کی جانب لوٹنا
چاہتی ہے دوسرے خاوند کے نکاح میں ہوتے ہوئے بھی عورت کا ارادہ پہلے خاوند کی جانب
لوٹ جانے کا تھا اور آپ ﷺ نے یہ محسوس بھی فرمالیا مگر اس عورت کو کچھ تنبیہ وغیرہ نہ کی
کہ موجودہ خاوند کے نکاح میں ہوتے ہوئے پہلے خاوند کی جانب لوٹ جانے کا ارادہ تو کیوں
کر رہی ہے جب آپ نے تنبیہ وغیرہ کچھ نہیں فرمائی تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرے
خاوند کے ساتھ نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد پہلے خاوند کی جانب لوٹ جانے کا ارادہ ہو
جس کو تحلیل کا ارادہ قرار دیا جاسکتا ہے تو اس سے دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح میں کوئی
فرق نہیں پڑتا جب اس کا نکاح درست ہے تو اگر یہ خاوند ہمبستری کے بعد عورت کو طلاق
دے دیتا ہے تو پہلے خاوند کے لئے وہ عورت حلال ہو جائیگی۔ اور یہی نظریہ احناف کی کتابوں
میں لکھا ہوا ہے اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہی نظریہ امام شافعی کا بھی ہے (تحفۃ
الاحوذی ص ۱۸۶ ج ۲)

تیسری صورت۔ کہ دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کے وقت پہلے خاوند کے لئے اس
عورت کو حلال کرنا شرط قرار دیا ہو تو اسمیں فقہاء کرام کے نظریات مختلف ہیں اکثر حضرات
کے نزدیک اس شرط کی وجہ سے نکاح فاسد ہوگا مگر امام ابو حنیفہؒ سے روایت یہ ہے کہ وہ
فرماتے ہیں کہ یہ شرط چونکہ نکاح کے مقتضیٰ سے زائد ہے اس لئے شرط باطل ہوگی اور نکاح
درست ہوگا اس صورت میں خود احناف میں بھی اختلاف ہے حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے
ہیں **فان شرط فیه الطلاق بعدالدخول فیه خلاف والا ظهر بطلانه** (مرقات ص
۲۹۸ ج ۶) اگر دوسرے خاوند سے نکاح میں ہمبستری کے بعد طلاق کو شرط قرار دیا تو اس
صورت میں علماء کرام کا اختلاف ہے اور زیادہ ظاہر یہی بات ہے کہ نکاح باطل ہے امام ابو
حنیفہؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اگر شرط تحلیل کے ساتھ نکاح کیا ہو تو شرط باطل اور نکاح صحیح
ہوگا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط مقتضاء عقد سے زائد ہے اسلئے کہ نکاح کے ارکان صرف
ایجاب وقبول ہیں چنانچہ غیر مقلد عالم سے سوال ہوا کہ نکاح کے فرائض کتنے ہیں تو جواب
دیا نکاح میں خطبہ ایجاب وقبول کم سے کم دو گواہ اور مہر ضروری چیزیں ہیں پھر اس جواب پر
مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا شرف الدین صاحب نے شرفیہ کا عنوان قائم کرکے
لکھا ایجاب وقبول کے سوا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اصل یہی دو فرض ہیں باقی حصہ
مسنون ہے اس کے سوا بھی منعقد ہو جائے گا ہاں خلاف سنت ہوگا (فتاوی ثنائیہ
ص ۳۳۰، ج ۲) اور دوسرے مقام میں لکھا ہے نکاح میں ایجاب وقبول نکاح کے رکن ہیں
(فتاوی ثنائیہ ص ۱۷۰: ج ۲) اگر عورت محل نکاح ہو یعنی شریعت نے اس سے نکاح کی
اجازت دی ہو تو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور جن
حضرات کے نزدیک ولی کا ہونا ضروری ہے تو ان کے نزدیک ولی کی موجودگی میں ایجاب
وقبول سے گواہوں کے سامنے نکاح منعقد ہو جائیگا اسلئے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ پہلے خاوند
کے لئے حلال کرنے کی شرط سے دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی صورت میں یہ شرط
باطل ہوگی اور نکاح کے ارکان اور شرائط ضرور یہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح ہو جائیگا اور
اسکی تائید میں وہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے سامنے معاملہ پیش ہوا جسمیں
شرط التحلیل نکاح ہوا تھا تو حضرت عمرؓ نے دوسرے خاوند سے فرمایا کہ خبردار اس عورت کو

اپنے نکاح سے فارغ نہ کرنا (بحوالہ اعلاء السنن ص ۲۱۹ : ج ۱۱) اگر ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا تو حضرت عمر نے اس خاوند کو اپنے نکاح میں بر قرار رکھنے کی تلقین کیوں فرمائی بہر حال حلالہ کی یہ صورت مختلف فیہ ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے مگر علی الاطلاق حلالہ کی حیثیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی غیر مقلدین حضرات اس کے منکر ہیں جیسا کہ باحوالہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

حلالہ لعنتی کام ہے۔ حلالہ کی تمام صورتوں کے لعنتی ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اگر خاوند نے عورت کو تین طلاقیں دیں اور عدت گزرنے کے بعد عورت نے دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور نکاح کے وقت پہلے خاوند کے لئے اس عورت کو نہ حلال کرنا شرط قرار دیا اور نہ ہی اسکی نیت کی مگر دوسرے خاوند نے ناموافقت کیوجہ سے از خود طلاق دے دی اور عدت گزر جانے کے بعد وہ عورت پہلے خاوند سے نکاح کر لے تو یہ ہے تو حلالہ مگر کسی کے نزدیک بھی یہ لعنت کے تحت داخل نہیں ہے اور اگر دوسرے خاوند سے نکاح کے وقت پہلے خاوند کے لئے حلال کرنے کی شرط تو نہیں لگائی مگر نیت وارادہ ہو تو اکثر علما کے نزدیک یہ صورت بھی لعنت کے تحت نہیں آئی اور اگر دوسرے خاوند سے نکاح کے وقت پہلے خاوند کے لئے حلال کرنا شرط قرار دیا ہو تو یہ صورت لعنت والی ہے اسمیں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

اشکال اور اس کا جواب۔

اشکال یہ ہے کہ جب بشرط التحلیل دوسرے خاوند سے نکاح لعنتی فعل ہے اور اس کے باوجود امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نکاح درست ہے تو لعنت کے ساتھ اس کا جواز کیسے درست ہو سکتا ہے۔

جواب۔ احادیث میں کئی افعال ایسے ہیں جن کے ارتکاب پر لعنت فرمائی گئی ہے اور اسکی وجہ سے ان افعال سے روکنا مقصود ہے ان میں سے بعض افعال ایسے ہیں جن کی قباحت قرآنی نص سے ثابت ہے اور بعض افعال ایسے ہیں جنکی قباحت احادیث سے ثابت ہے۔ جن افعال کی قباحت قرآنی نص سے ثابت ہے ان میں سے ایک سود ہے کہ اس کے بارے میں فرمایا گیا فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله (پارہ ۳ سورۃ البقرہ آیت

۲۷۹) پس اگر تم سودی لین دین سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اسکی قباحت سب سے سخت ہے اور اس سودی فعل میں قباحت ذاتی ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس بارہ میں سود لینے دینے والوں کے علاوہ اسکے کاتب اور گواہوں پر بھی لعنت فرمائی ہے (ترمذی ص ۲۲۹ ج ۱) سودی لین دین بھی حرام ہے اور اس کے ذریعہ سے خریدی گئی چیز بھی حرام ہے۔ مگر اس چیز سے کسی حد تک فائدہ اٹھانا غیر مقلدین حضرات کے نزدیک درست ہے۔ چنانچہ ایک سوال ہوا اگر کوئی مدرسہ سود کے روپے سے خریدا جائے تو اس میں قرآن وحدیث کی تعلیم جائز ہے یا نہیں تو جواب دیا گیا یہ سوال دو پہلو رکھتا ہے ایک یہ کہ سود سے حاصل کیا ہوا روپیہ مراد ہے یا سودی قرضہ پر لیا ہوا روپیہ یہ دونوں صورتیں موجب گناہ ہیں لیکن تعلیم وہاں جائز ہے (فتاوی ثنائیہ ص ۶۸ ج ۲) اگر سود کی رقم سے عمارت تعمیر کرنا گناہ ہے مگر اس میں تعلیم درست ہے تو اگر امام ابو حنیفہؒ نے یہ فرمادیا ہے کہ تحلیل کی شرط موجب گناہ ہے مگر اس کے باوجود نکاح درست ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔ جن افعال کی قباحت نص قرآنی سے ثابت ہے ان میں سے جھوٹ بھی ہے قرآن کریم میں ہے لعنة الله على الكاذبين (پارہ ۱۸ سورۃ النور آیت نمبر ۷) جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔ جھوٹ قبیح ہونے کہ باوجود مقام اور اس کہ نتیجے کے لحاظ سے اس کی قباحت میں درجات ہیں چنانچہ غیر مقلد عالم سے سوال ہوا زید کا اعتقاد و قول و عمل ہے کہ جھوٹ سب برابر نہیں ہیں۔ کوئی جھوٹ مناسب مقام پر جائز کوئی گناہ صغیرہ اور کوئی کبیرہ کوئی لغو اور کوئی شرک۔ تو جواب دیا ہے کہ جھوٹ اپنی اصلیت اور حقیقت کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے مگر نتائج کے لحاظ سے اس میں شدت وضعف آجاتا ہے۔ مثلاً دو مسلمانوں یا میاں بیوی میں مصالحت کرانے کو جھوٹ بولنا نتیجہ کہ لحاظ سے قابل معافی ہے (فتاوی ثنائیہ ص ۸۵۔ ج ۲) جھوٹ لعنتی فعل ہے مگر مصالحت کے لیے اس کا ارتکاب کیا جا سکتا ہے اسی طرح احادیث میں کئی افعال ایسے بیان کئے گئے ہیں جن پر لعنت کئی گئی ہے۔ مثلاً حلقہ کے درمیان میں بیٹھنا (ترمذی ص ۱۰۴ ج ۲) قوم کے ناپسند قرار دینے کے باوجود ان کی امامت کرانے والا امام (ترمذی ص ۸۲ ج ۱)۔ خاوند کی نافرمان عورت (ترمذی ص ۸۳) اذان سن کر نماز کیلئے نہ آنے والا (ترمذی ص ۸۳ ج ۱) ان میں مقصد ان افعال

سے منع کرنا ہے لیکن اگر کوئی ان افعال میں سے کسی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اسکو توبہ کرنی چاہیے۔ اسی طرح تحلیل کی شرط کے ساتھ حلالہ کرنے کرانے والے پر لعنت کی گئی ہے تاکہ اس فعل سے باز رہیں۔ لیکن اگر کوئی اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اسکو توبہ کرنی چاہئے۔ اگر کوئی عورت دوسری عورت کے بال اپنے بالوں سے جوڑتی ہے تو اس پر بھی لعنت کی گئی ہے (ترمذی ص ۳۰۱ ج ۱ مسلم ۲۰۴، ج ۲) بعض عورتیں چہرے یا جسم کے کسی دوسرے حصہ میں رنگ بھروا کر داغ لگواتی یا نام لکھواتی ہیں تو ان پر بھی لعنت کی گئی ہے (ترمذی ص ۳۰۶ ج ۱، مسلم ۲۰۴، ج ۲) مردوں کیلئے بھی یہی حکم ہے۔ اس روایت پر بحث کرتے ہوئے امام نوویؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ جسم کے جس حصہ پر یہ رنگ بھروایا ہو اگر اس داغ کو دور کرنے کیلئے عضو ضائع ہونے یا اس کے بیکار ہو جانے کا خوف ہو تو اس کا دور کرنا واجب نہیں ہے تو جب یہ آدمی اپنے اس کام پر توبہ کرے گا، تو گناہ کا اثر باقی نہیں رہے گا۔ (نووی شرح مسلم ص ۲۰۵ ج ۲، السراج الوہاج ص ۳۰۷ ج ۲) اب یہ لعنتی کام ہے مگر اس کے باوجود عضو کے بیکار ہو جانے کے خوف سے اسکو باقی رکھنے اور توبہ کے ذریعہ سے گناہ کے اثر کو دور کرنے کی غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھی تعلیم دے رہے ہیں۔

نوٹ۔ جواب مقالہ سے پہلے بعض ضروری باتیں ذکر کی جارہی ہیں تاکہ اس نازک مسئلہ کی اہمیت سے عوام الناس آگاہ ہو جائیں اسی مناسبت سے بعض مزید باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

غصہ کی حالت میں طلاق۔ جو لوگ نادانی کیوجہ سے طلاق دیدیتے ہیں۔ وہ پھر یوں کہنے لگ جاتے ہیں کہ میں غصہ میں تھا۔ غصہ میں طلاق دی ہے، تو اس بارہ میں احناف کا نظریہ ہے کہ اگر آدمی معتوہ نہ ہو تو (معتوہ اسکو کہتے ہیں جس کے ہوش و حواس قائم نہ رہے ہوں) تو اس کی دی ہوئی طلاق ہو جاتی ہے غصہ کو بہانہ نہیں بنایا جاسکتا اور غیر مقلدین حضرات نے بھی اسی کے قریب قول کیا ہے۔ غیر مقلد عالم مولانا محمد عبداللہ صاحب امرتسریؒ سے سوال ہوا کہ کیا غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق ہو جاتی ہے تو جواب دیا غصہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے کیونکہ طلاق عموماً غصہ میں ہوتی ہے ہاں اگر غصہ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا اور اس کے ہوش و حواس بالکل قائم نہ رہے ہوں یہاں تک کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میرے

منہ سے کیا نکلا ہے کسی دوسرے نے بتایا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے خود اس کو پتہ نہیں تو ایسی حالت میں طلاق واقعہ نہیں ہوئی کیونکہ وہ دیوانہ کے حکم میں ہے۔ (فتاوی اہلحدیث ص ۲۵۸ ج ۳) اور اسی طرح ۲۷۶ ص ج ۳) میں لکھا کہ غصہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب۔

بعض جدید تعلیم یافتہ نوجوان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ طلاق تو مرد دیتا ہے پھر حلالہ کی سزا عورت کو کیوں دی جاتی ہے۔ یہ اعتراض غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ یہ عورت کے حق میں سزا تو تب ہو کہ عورت پر جبر ہو یا اسکی مرضی شامل نہ ہو حالانکہ دوسرے مرد سے نکاح کے لئے بھی اور اگر پہلے خاوند کی جانب لوٹنا ہو تو اسمیں بھی عورت کی رضا ضروری ہے اسکی رضا کے بغیر تو نکاح ہی نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ ایجاب و قبول نکاح کے ارکان ہیں۔ جب دوسرے خاوند سے نکاح کیلئے عورت اپنی رضا ظاہر کرتی ہے اور اسی طرح اگر دوسرے خاوند نے طلاق دیدی اور پہلا خاوند اسکو دوبارہ نکاح میں لانا چاہتا ہو تو تب بھی عورت کی رضا ضروری ہے۔ جب عورت کی رضا شامل ہے تو اس کو سزا نہیں کہا جاسکتا۔ باقی رہا یہ کہ عورت کو کبھی ایک کے نکاح میں اور کبھی دوسرے کے نکاح میں دینا بھی تو عیب کی بات ہے تو عرض ہے کہ شرعی حکم پورا کرنے کی خاطر ایسا کرنا کوئی عیب نہیں ہے اور پھر یہ صورتیں صرف اسی حالت میں پیش نہیں آتیں بلکہ زندگی میں دیگر حالات میں بھی ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں اور ان کو کوئی عیب نہیں سمجھتا۔ مثلاً عورت کا نکاح ہوا۔ خاوند نے طلاق دے دی اور پھر رجوع نہ کیا وہ عورت دوسرے کے نکاح میں چلی گئی۔ وہاں بھی اسی قسم کی حالت پیش آئی۔ اور پھر تیسرے کے نکاح میں چلی گئی۔ آخر یہ عورت بھی تو یکے بعد دیگرے کئی خاوندوں کے نکاح میں رہی ہے اسکو کوئی عیب نہیں سمجھتا اور نہ ہی خاندان کے افراد اسکو اپنی غیرت کے منافی سمجھتے ہیں تو جائز حلالہ کی صورت میں ایسی حالت کو کیوں عیب سمجھا جاتا ہے۔

مصالحتی کمیٹیوں کے فیصلے۔

کچھ عرصہ سے حکومت کی جانب سے مصالحتی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں جو طلاقوں کے مقدمات

کی سماعت اور ان کے فیصلے بھی کرتے ہیں حالانکہ وہ بالکل اسلامی احکامات سے واقف نہیں ہوتے کہ کونسی صورت صلح کی شریعت کے ہاں جائز اور کونسی نا جائز ہے۔ وہ زیادہ تر یہی دیکھتے ہیں کہ دونوں فریق راضی ہیں لہذا صلح کرادی جائے۔ حالانکہ تین طلاقوں کی صورت میں صلح کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اسلئے ایسے حالات میں صلح کرانا شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے الصلح جائز بین المسلمین الا صلحاً حَرَّمَ حَلَالاً اَوْ اَحَلَّ حَرَاماً (ترمذی ص ۲۵۱ ج ۱) کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے مگر ایسی صلح جائز نہیں جس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دیا جائے۔ امام ترمذی یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ھذا حدیث حسن صحیح۔ اور تین طلاقوں کے بعد شریعت میں صلح کی گنجائش نہیں خاوند پر عورت حرام ہو جاتی ہے اسلئے ان دونوں کے محض راضی ہو جانے کی وجہ سے صلح نہیں کرائی جاسکتی۔ جیسے رشوت لینے اور دینے والے دونوں کی رضا ہو یا مرد و عورت رضا سے زنا کا ارتکاب کریں تو یہ فعل درست نہیں ہو جاتا اسی طرح تین طلاقوں کے بعد مرد و عورت کے راضی ہونے کی صورت میں بھی ان کے درمیان صلح کرانا جائز اور درست نہیں ہے اور ایسی حالت میں مصالحتی کیٹیوں کے فیصلوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اللہ تعالے ہر مسلمان کو سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حافظ عبدالقدوس قارن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد

بعض تمہیدی اور ضروری باتیں ابتدائیہ اور اظہار حقیقت کے عنوان کے تحت بیان کردی گئی ہیں۔ اب غیر مقلد عالم جناب مولوی محمد امین صاحب محمدی کے مقالہ کا جواب شروع کیا جاتا ہے اس کے لئے ہم نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ پہلے مقالہ کی عبارت ذکر کی ہے جو کہ ہم نے ریکارڈ شدہ کیسٹوں سے نقل کی ہے پھر جواب مقالہ کا عنوان قائم کر کے اس کا جواب دیا ہے تاکہ پڑھنے والے حضرات کو کوئی الجھن نہ ہو اور وہ مقالہ اور جواب مقالہ کا تفصیلی جائزہ پیش نظر رکھ سکیں۔ اس جواب مقالہ میں نہ تو کسی کو نیچا دکھانا مقصود ہے اور نہ ہی کوئی اور دنیاوی مفاد پیش نظر ہے۔ بلکہ جیسا کہ ابتدائیہ میں بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ مقصد صرف ایسے لوگوں کی اصلاح ہے جو مقالہ کی کیسٹیں سن کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ اور پھر ان حضرات کو معلومات فراہم کرنا مقصود ہے جو اس بارہ میں معلومات کے خواہش مند ہیں۔ اللہ تعالی اس جواب مقالہ کو اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

مقالہ (جناب محمد امین محمدی صاحب اپنے تمہیدی بیان سے فارغ ہو کر فرماتے ہیں) اختلافی مسئلہ اور مختلف موقف آمدم بر سر مطلب ☆ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ یا مختلف کلمات سے دو یا تین بلکہ دس بیس سو یا اس سے بھی زیادہ طلاقیں دیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آیا ایک وقت میں صرف ایک طلاق ہی واقع ہو گئی یا زیادہ۔ اور زیادہ ہونے کی صورت میں کتنی واقع ہونگی۔ تین یا جتنی اس نے دی ہیں سب واقع ہو جائیں گی۔ اسمیں علماء و فقہاء کے کیا موقف ہیں۔

جناب امام ابن تیمیہؒ اور دیگر فقہاء علماء نے اسکی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے (آگے محمدی صاحب نے عربی عبارت کا کچھ حصہ ذکر کر کے کہا) یہ عربی عبارت تو لمبی ہے میں اسکا

ترجمہ ہی سنا دیتا ہوں یعنی اگر کوئی شخص ایک طہر میں ایک کلمہ یا مختلف زیادہ کلمات کے ذریعہ تین طلاقیں دیدے یعنی یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں یا یوں کہے کہ تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق یا یہ الفاظ کہے کہ تجھے طلاق پھر طلاق پھر طلاق یا یہ کہے کہ تجھے طلاق پھر تھوڑی دیر بعد کہے تجھے طلاق پھر تھوڑی دیر بعد کہے تجھے طلاق یا یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں یا دس طلاقیں یا سو طلاق یا ہزار طلاق تو چاہے مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو علماء سلف اور خلف کے اس کے حکم میں تین مختلف اقوال ہیں۔ اور بعض مدخولہ اور غیر مدخولہ میں فرق کے قائل ہیں اور اس صورت میں ایک چوتھا مؤقف بھی بیان کیا جاتا ہے جو کہ بالکل بے بنیاد من گھڑت اور بعد کی ایجاد ہے پھر ان کی تفصیلات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں احدھا۔ یہاں بھی میں ترجمہ سناتا ہوں تاکہ بات مختصر ہو جائے۔ کہ پہلا مؤقف تو یہ ہے کہ اس انداز سے طلاق دینا جائز ہے اور تینوں واقع ہو جاتی ہے ایک مؤقف یہ ہے۔ دوسرا مؤقف یہ ہے کہ یہ طریقہ طلاق حرام اور ناجائز ہے البتہ واقع تینوں ہو جائیں گی۔ پہلا مؤقف جناب امام شافعی کا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کا پرانا قول بھی یہی تھا۔

دوسرا مؤقف جناب امام مالکؒ، جناب امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا آخری قول یہی ہے تیسرا مؤقف یہ ہے کہ یہ انداز طلاق حرام اور ناجائز ہے البتہ صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔ یہ قول حضرات صحابہ اور سلف سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے اور یہ مؤقف جناب امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے شاگردوں اور ان کے بعض مقلدین سے بھی ثابت ہے۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ چونکہ یہ طریقہ طلاق حرام اور بدعت ہے اس لیے ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ لیکن یہ قول صرف بعض معتزلہ اور شیعہ کا ہے۔ سلف میں سے کسی ایک سے یہ مؤقف منقول نہیں ہے۔ جناب امام ابن تیمیہؒ حنبلی فقہ سے منسلک ہونے کے باوجود چونکہ ایک مجتہد شخصیت ہیں اسلئے فرماتے ہیں والقول الثالث هو الذی یدل علیه الکتاب والسنة کہ دراصل تیسرا قول ہی ایک ایسا مؤقف ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ الحمد للہ۔

جواب مقالہ۔ امام ابن تیمیہؒ کی اس مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں صرف اپنے امام کی ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر تین ائمہ متبوعین امام ابو حنیفہؒ

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی بھی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ دو چار فیصد افراد کو چھوڑ کر باقی امت کا حصہ ہر دور میں ان ہی ائمہ کی اقتداء کرتا چلا آرہا ہے۔ مگر جناب محمد امین محمدی صاحب کو چونکہ اپنے نظریہ کا سہارا امام ابن تیمیہؒ کی صورت میں ہی ملا ہے۔ اسلئے ان کے قول و القول الثالث هو الذی یدل علیه الکتاب و السنة پر اتنے خوش ہوئے ہیں کہ آخر میں الحمد للہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے اس جانب ذرا بھی غور نہ کیا کہ ان کے اپنے بزرگ اس بارہ میں کیا فرما چکے ہیں۔ مشہور غیر مقلد عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو سعید شرف الدین دہلویؒ مسئلہ طلاق ثلاثہ پر طویل بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں۔ یہ مسلک صحابہؓ، تابعین و تبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتوی کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتوی شیخ الاسلام نے ساتویں صدی ہجری کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا۔ تو اس وقت کے علمائے اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تین طلاق کی ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتوی دیا تو بہت شور ہوا۔ شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔ قید کئے گئے اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ روافض کی علامت تھی ص ۳۱۸ اور سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی ص ۹۸ جلد ۲ اور التاج المکلل مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب صفحہ ۲۸۶ میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف ہیں التاج المکلل ص ۲۸۸_۲۸۹ ہاں تو جب متاخرین علماء اہلحدیث عموماً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے معتقد ہیں اس لئے وہ بے شک اس مسئلہ میں شیخ الاسلام سے متفق ہیں اور وہ اسی کو محدثین کا مسلک بتاتے ہیں اور مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ مذہب محدثین کا ہے اور اس کے خلاف مذہب حنفیہ کا ہے، اس لئے ہمارے اصحاب فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اس کے خلاف کو رد کر

دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ فتوی یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا ہے۔ اور ائمہ اربعہ کی تقلید چوتھی صدی ہجری میں رائج ہوئی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بریلوی لوگوں نے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت مشہور کر رکھا ہے اوروں کو خارج یا جیسے مولوی مودودی کی جماعت نے اپنے آپ کو جماعت اسلامی مشہور کر دیا ہے باوجودیکہ ان کا اسلام بھی خود ساختہ ہے۔ جو چودھویں ہجری میں بنایا گیا ہے (فتاوی ثنائیہ ۲۱۹۔۲۲۰ ص ،ج ۲) جناب مولوی محمد امین محمدی صاحب اور ان کے رفقاء کو اپنے شیخ الحدیث صاحب کی یہ عبارت بار بار پڑھنی چاہئے اور عوام الناس کو بھی اس سے آگاہ کرنا چاہئے تاکہ ان بے علم بیچارے مسلمانوں کو پتہ چل جائے جو تین طلاقیں دینے کے بعد بھی محض اپنا گھر بسانے کی خاطر ایسے فتوی بازوں کے فتووں پر اعتماد کر لیتے ہیں جو محدثین کے نظریہ کے نام پر اپنے مسلک کا پرچار کر رہے ہیں۔ اور اپنی جہالت کیوجہ سے زندگی بھر حرام کاری کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

قابل غور۔

غیر مقلد شیخ الحدیث صاحب کی عبارت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا مسلک نہیں ہے بلکہ یہ مسلک سات سو سال بعد کی ایجاد ہے۔

(۲) تین طلاقوں کو ایک قرار دینا روافض کی علامت تھی اور یہ عبارت انھوں نے نواب صدیق حسن خانؒ کی نقل کی ہے۔

(۳) تین طلاقوں کو ایک قرار دینا علامہ ابن تیمیہؒ کے مسائل متفردات میں سے ہے۔ یہ عبارت بھی انھوں نے نواب صدیق حسن خانؒ سے نقل کی ہے۔

(۴) جب امام ابن تیمیہؒ نے اس نظریہ کا پرچار کیا تو ان کے شاگرد امام شمس الدین ذہبیؒ نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا بلکہ سخت مخالفت کی۔ یہ عبارت بھی انھوں نے نواب صدیق حسن خانؒ سے نقل کی ہے۔ تو گویا یہ باتیں کہنے میں غیر مقلد شیخ الحدیث ابو سعید شرف الدین دہلویؒ اکیلے نہیں بلکہ ان سے پہلے غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ بھی یہی کچھ کہہ چکے ہیں۔

نوٹ۔ امام شمس الدین ذہبیؒ جن کو فن اسماء الرجال اور اصول حدیث کے ائمہ میں شمار کیا جاتا ہے ان کا اس طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں امام ابن تیمیہؒ کی مخالفت کرنا ظاہر کرتا ہے کہ جن احادیث کو امام ابن تیمیہؒ وغیرہ نے اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کیا وہ اس لائق نہ تھیں کہ ان کا ان سے استدلال کرنا درست ہوتا ورنہ امام ذہبیؒ جیسی شخصیت برملا مخالفت نہ کرتی۔

جناب محمد امین محمدی صاحب شیعہ حضرات کا نظریہ بیان کر کے فرماتے ہیں سلف میں سے کسی ایک سے یہ مؤقف منقول نہیں الخ حالانکہ امام نوویؒ نے غیر مقلدین حضرات کے فاتحہ خلف الامام اور ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے ایک ہونے کے نظریہ کے بنیادی ستون جناب محمد بن اسحاق کے بارہ میں لکھا ہے کہ ان سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے (ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج ۱) کیا محمدی صاحب کے نزدیک جناب محمد بن اسحاق سلف میں داخل نہیں یا ان کے نزدیک وہ بھی روافض میں شامل ہیں جیسا کہ محدث مبارکپوری صاحب نے جناب محمد بن اسحاق کے بارہ میں لکھا ہے رمی بالتشیع کہ ان کو شیعہ کی جانب منسوب کیا جاتا تھا (ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ص ۲۰ ج ۱)

مقالہ۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ دین اسلام کے نظام طلاق اور اس کے متعلقہ ہدایات اور احکام کی اصل روح کے مطابق یہی ایک مؤقف ہے کہ ایک مرتبہ طلاق دینے سے صرف ایک طلاق ہی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے پارٹی بازی سے بیزار اور اکثر مسلمان ہر دور میں اسی مؤقف پر قائم رہے ہیں بلکہ چاروں اماموں کے مقلدین میں سے غیر متشدد اور سنجیدہ حضرات حتیٰ کہ موجودہ دور کے غیر متعصب حضرات بھی اس مؤقف کو اپناتے ہیں۔ تاہم علماء سلف و خلف اور فقہاء امت میں اختلاف موجود ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جواب مقالہ۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں امت کی اکثریت ائمہ اربعہؒ ہی کی پیروکار چلی آرہی ہے اور اس سے باہر بمشکل دو چار فیصد افراد ہوں گے اور تین طلاقوں کے تین ہی ہونے میں حضرات صحابہؓ کے اجماع کے بعد ائمہ اربعہؒ کا بھی اجماع واتفاق ہے تو پھر نہ جانے کس منہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ اکثر مسلمان ہر دور میں اسی مؤقف پر قائم رہے ہیں۔ جبکہ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا نظریہ باقاعدہ مسلک کی حیثیت سے ساتویں

یا آٹھویں صدی ہجری کی ایجاد ہے۔ جیسا کہ غیر مقلد عالم مولانا شرف الدین دہلویؒ نے فرمایا ہے جسکا حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔

مقالہ۔ اختلاف ہو جانے کی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

کرنے کا کام۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فان تنازعتم فی شیئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر**۔ کہ اختلافی مسائل میں اختلاف ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ یعنی اللہ کی کتاب اور محمد رسول ﷺ کی سنت کی طرف لیجایا جائے کیونکہ ہمارے کلمہ میں **لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ** ہے کسی اور کی طرف لوٹانے سے چاہے وہ امام مالک امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اکیلے اکیلے ہوں یا سارے ہوں یا ان سے بڑا ہی کیوں نہ ہو اختلاف کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

جواب مقالہ۔ کاش کہ جناب محمدی صاحب **فان تنازعتم فی شئی** والی آیت کو شروع سے ہی پڑھ دیتے اس لیے کہ جس پروردگار نے **فان تنازعتم فی شیئی** فرمایا ہے اسی پروردگار نے یہ بھی فرمایا ہے **یایھاالذین آمنوا اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم** (پارہ نمبر ۵ سورۃ النساء آیت نمبر ۵۹) اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو لوٹاؤ اللہ اور رسول کی طرف۔ اس آیت میں اللہ اور رسول اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اولوالامر منکم کا اولین مصداق حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں **وھم کبار الصحابۃ فی الامور** (روح المعانی ص ۸۵ ج ۵) کہ اولوالامر سے مراد کبار صحابہ ہیں تو جب حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اکٹھی تین طلاقوں کو تین کی حیثیت سے نافذ فرمایا تو اطاعت ضروری ہے۔ اور پھر جب صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہوا اور بعد میں حضرات ائمہ اربعہ کا بھی اس مسئلہ میں اجماع ہوا تو تنازع اور اختلاف کرنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ اختلاف کرنے والوں کو خود سوچنا چاہئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ جناب محمدی صاحب نے فرمایا کہ ہمارے کلمہ میں **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہے۔ تو یہ بالکل بجا ہے مگر ان کو یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مدار صرف الفاظ پر نہیں ہے اس لیے کہ یہ کلمہ تو معتزلہ، خوارج روافض اور منکرین حدیث بلکہ مرزائی بھی پڑھتے ہیں تو مدار صرف الفاظ پر نہیں بلکہ اس

اس کے تقاضہ کو پورا کرنے پر ہے۔ اور کلمہ کا تقاضہ تب پورا ہوتا ہے جب کلمہ والے نبی ﷺ کے فرمودات پر عمل کیا جائے تو جس نبی کا یہ کلمہ ہے اسی نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے **علیکم بسنتی وسنۃالخلفاء الراشدین المھدیین** (مسند احمد ص ۱۲۶ ج ۴، ابو داؤد ص ۲۸۷ ج ۲ ابن ماجہ ص ۵ اور ترمذی ص ۱۰۸ ج ۲) امام ترمذی فرماتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح) کہ میرے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ اس لیے صرف کلمہ کے الفاظ کا نہیں بلکہ کلمہ والے نبی کے فرمودات کا بھی لحاظ رکھنا چاہے۔

مقالہ۔ جناب امام ابن تیمیہؒ نے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اسلامی دستور العمل کی ترجمانی فرمائی ہے فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی صورت میں مختلف فیہ مسائل میں اللہ اور اسکے پیغمبر کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے مزید فرماتے ہیں (عبارت کا ترجمہ) کہ سلف اور خلف میں مختلف فیہ اس مسئلہ کو بھی کتاب وسنت کی طرف لوٹانا فرض ہے اور کتاب وسنت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ دوسری اور تیسری طلاق کو بغیر رجوع اور نکاح کے بھی معتبر سمجھا جائیگا۔

جواب مقالہ۔ یہ بات حضرت عمرؓ سمیت جماعت صحابہؓ میں سے کسی کو اور اسی طرح ائمہ اربعہؒ میں سے تو کسی کو معلوم نہ ہو سکی مگر امام ابن تیمیہؒ کو معلوم ہو گئی کہ دوسری اور تیسری طلاق کے بغیر رجوع اور نکاح کے معتبر ہونے پر کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ صرف امام ابن تیمیہؒ کا نظریہ کتاب وسنت کے مطابق اور باقی ان تمام حضرات کا نظریہ کتاب وسنت کے خلاف تھا۔ معاذ اللہ تعالیٰ ایسی صورت حال میں امام ابن تیمیہؒ کے قول کو لیکر خوش ہونا غیر مقلدین حضرات کو ہی زیب دیتا ہے۔ ہم تو اس نظریہ کو حق اور کتاب وسنت کے مطابق سمجھتے ہیں جس پر حضرات صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور امام ابن تیمیہؒ کو مجتھد فی المسائل مانتے ہوئے اس نظریہ میں ان کا تفرد قرار دے کر ان کی شان میں بھی کسی کو گستاخی کی اجازت نہیں دیتے۔ اور غیر مقلد عالم شیخ الحدیث مولانا شرف الدین دہلوی اور نواب صدیق حسن خان سے پہلے باحوالہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابن تیمیہ کا تفرد ہے۔ کسی بزرگ کے تفردات میں اسکو معذور تو سمجھا جاسکتا ہے مگر ایسے مسائل میں پیروی درست نہیں ہوتی۔

امام ابن تیمیہ کا یہ فرمانا کہ دوسری اور تیسری طلاق بغیر رجوع اور نکاح کے معتبر سمجھنے پر کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں تو ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے۔ اسلئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے **قال فی طلاق السنته یطلقها عند کل طهر تطلیقة** (ابن ماجہ ص ۱۴۵) اور اس قسم کی روایت دار قطنی میں بھی ہے اور اس روایت کے بارہ میں غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں اسنادہ صحیح کہ اسکی سند صحیح ہے (التعلیق المغنی ص ۵ ج ۴) اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ **وان ارادان یطلقها فلایغشاها** (دار قطنی ص ۱۱ ج ۴) کہ جس طہر میں عورت کو طلاق دینا چاہتا ہے اس میں اس کے ساتھ جماع نہ کرے۔ اور پھر یہ بات مسلم ہے کہ جس طہر میں عورت سے جماع کیا ہو اس میں طلاق دینا سنت نہیں بلکہ بدعی طلاق ہوتی ہے تو اس سے (احادیث کا مفہوم) واضح ہو گیا کہ ہر طہر میں جماع کئے بغیر طلاق دینا طلاق سنت ہے۔ اور ایک سوال کے جواب میں غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل فی الکل مولانا نذیر حسین صاحبؒ لکھتے ہیں زید نے جو یہ تین طلاقیں تین ماہ میں دی ہیں اگر حالت حمل میں دی ہیں یا ایسے تین طہر میں ہیں جن میں جماع نہیں کیا ہے تو یہ طلاق سنی ہو گی ورنہ بدعی (فتاویٰ نذیریہ ص ۵۹ ج ۳) اور یہ اشکال کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی پہلی اور دوسری طلاق کے بعد جماع تو نہ کرے مگر رجوع کرلے اور پھر طلاق دے تو یہ اشکال بھی درست نہیں ہے۔ اسلئے کہ **عند کل طهر تطلیقة** کا مطلب ہی تب درست ہوتا ہے جب کہ درمیان میں رجوع نہ ہو۔ اسلئے کہ جب آدمی ایک طلاق کے بعد رجوع کرلے گا تو عدت کے لحاظ سے پہلی طلاق کا تعلق اگلی طلاق سے باقی نہ رہے گا۔ اس جیسے ایک مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے غیر مقلد عالم لکھتے ہیں جس عورت کو تین طہر میں تین طلاقیں ہوئی ہوں اس پر آخری طلاق کے بعد صرف ایک حیض عدت ہے (فتاویٰ نذیریہ ص ۹۳ ج ۳) غیر مقلدین حضرات کا یہی نظریہ ہے کہ ایسی حالت میں عدت ایک حیض ہے۔ مگر اس میں تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ہر طہر میں طلاق دینا طلاق سنت ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ درمیان میں رجوع نہ ہو۔ اسلئے کہ اگر درمیان میں رجوع ہو تو آخری طلاق کا پہلی طلاقوں سے تعلق نہیں رہتا اسلئے کہ اسکی عدت اسی طلاق کے بعد سے شروع ہو گی حالانکہ یہاں عدت کے

معاملہ میں پہلی طلاق کے ساتھ تعلق بتایا جارہا ہے۔ اسی لئے تو اپنے نظریہ کے مطابق آخری طلاق کے بعد ایک حیض عدت بتائی جارہی ہے۔ اور غیر مقلد عالم مولانا عبداللہ امرتسری ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں جب تین طلاقیں متفرق ہوں تو عورت بالاتفاق حرام ہو جاتی ہے خواہ تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد دے یا کئی سالوں میں دے اور خواہ درمیان میں رجوع کیا ہو یا نہ (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲۵۸ ج ۳) غیر مقلد اکابر علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ خواہ رجوع ہو یا نہ ہو وقفہ سے دی گئی طلاقیں معتبر ہوتی ہیں جبکہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق کے لئے رجوع یا نکاح ضروری ہونا تو شیعہ کا نظریہ ہے چنانچہ شیعہ عالم لکھتا ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دو دفعہ طلاق دے کر اس کی طرف رجوع کرلے یا اسے دو دفعہ طلاق دے اور ہر طلاق کے بعد اس سے عقد کرے یا ایک طلاق کے بعد رجوع کرنے اور دوسری طلاق کے بعد عقد کرے تو تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ (توضیح المسائل ص ۵۶۲ مصنفہ بشیر حسین نجفی) مگر جناب محمدی صاحب امام ابن تیمیہؒ کی عبارت پیش کر کے اپنے ہی اکابر کے نظریہ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اب اسکو کیا نام دیا جائے کیا یہ مسلک اہلحدیث کی ترجمانی ہے یا مخالفت؟! اسکا فیصلہ ہم قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

؎ تم ہی بتاؤ، ہمیں تو کچھ سوجھتا نہیں ماتم کہیں کہ ناز محبت کے نام کو

مقالہ۔ اب کتاب و سنت کے ان دلائل کا مشاہدہ فرمائیں۔ سماعت فرمائیں جن میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں اس معاملہ میں پوری راہنمائی فرمائی ہے۔ اب آپ کو ذرا زیادہ توجہ کرنی ہو گی۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے **یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقو هن لعد تهن واحصوا العدة واتقو اللہ ربکم لاتخرجوهن من بیوتهن ولایخرجن الاان یاتین بفاحشة مبینة وتلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقدظلم نفسه لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا**۔ اس آیہ کریمہ میں اصل خطاب حضرت محمد ﷺ کی امت کو ہے۔ البتہ امام ہونے کی وجہ سے آپ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جناب حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں (عربی عبارت کا ترجمہ) یعنی اذا طلقتم کے لفظ سے یا تو احتراماً نبی ﷺ کو جمع کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ یا اپنی امت کو ساتھ ملا کر۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اے پیغمبر اپنی

امت سے کہہ دو۔ بہر حال پوری امت کو طلاق کا ضابطہ بتایا گیا ہے کہ جب آپ طلاق دینے کا پکا ارادہ کر لیں اور حالات طلاق کے بن جائیں تو طلاق دیں عدت کے لئے اور عدت باقاعدہ شمار کر لیں اللہ سے ڈریں جو آپ کا پروردگار ہے انہیں گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کوئی واضح غلطی کریں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جو شخص اللہ کی حدود پامال کرے گا وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے۔ آپ کو تو علم نہیں لیکن ممکن ہے کہ ان کے بعد بھی اللہ تعالےٰ ان کے لئے کوئی صلح کا راستہ بنا دیں۔ اب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حمایہ پابندی لگائی ہے کہ جب بھی آپ لوگ طلاق دیں تو اس انداز سے طلاق دیں جس میں عدت میں رجوع کی گنجائش موجود ہو۔ اور طلاق کے بعد بھی انہیں اپنے گھروں سے نہ نکالو تاکہ صلح کا امکان غالب رہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود ہیں جنکی خلاف ورزی کرنے والا ظالم ہے۔ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کسی کام سے منع کریں تو اس کا کرنا حرام ہوتا ہے۔ ایسے ہی جس کام کا حکم دیں اسکی خلاف ورزی بھی حرام اور ناجائز ہوتی ہے۔ تو گویا طلاق کی ہر اس صورت سے عمومی ممانعت ہو گئی جس میں طلاق کے بعد رجوع اور صلح کی گنجائش باقی نہ ہو۔ اسکی ممانعت ہے یہاں ایسی کوئی طلاق نہیں جو رجوع اور صلح کا حق ختم کر دے۔ لہذا جو شخص بھی ایسی طلاق دے کہ جو پہلی بھی ہو پہلی مرتبہ بھی ہو اور اس کے بعد رجوع نہ ہو سکتا ہو تو وہ اس حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جو کہ حرام اور شریعت اسلام کے احکام احکام طلاق کی روح کے منافی ہے۔ لہذا انہیں اس انداز میں واقع قرار نہیں دیا جائیگا کہ رجوع کا حق ہی نہ رہے بلکہ اس انداز میں واقع کیا جائے گا کہ رجوع کا حق باقی رہے تاکہ حتی الوسعت اس آیہ کریمہ پر عمل کا امکان موجود رہے۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب نے سورۃ الطلاق کی ابتدائی آیات پیش کر کے جو یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گویا طلاق کی ہر اس صورت سے عمومی ممانعت ہو گئی جس میں طلاق کے بعد رجوع اور صلح کی گنجائش باقی نہ ہو الخ یہ بالکل درست ہے مگر اسمیں تو اختلاف ہی نہیں کہ بتائے ہوئے طریقہ کی مخالفت جائز نہیں بلکہ اختلاف اسمیں ہے کہ اگر کوئی اس شرعی طریقہ کی مخالفت کر بیٹھتا ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟ اسی لئے تو اس شرعی طریقہ کی مخالفت کر کے طلاق دینے والے کی طلاق کو بدعی کہا جاتا ہے۔ خواہ یہ مخالفت وقت کے لحاظ سے ہو

کہ اس نے طہر کی بجائے حیض میں طلاق دی ہو یا وقت کے وصف کی مخالفت کی ہو کہ ایسے طہر میں طلاق دی ہو جس میں اس نے عورت کے ساتھ جماع کیا ہو۔ اس لئے کہ طلاق سنی کا وقت ایسا طہر ہے جس میں جماع نہ کیا ہو۔ یا مخالفت تعداد کے لحاظ سے کی ہو کہ بیک وقت تین طلاقیں دے دی ہوں ان تمام صورتوں میں طلاق کو بدعی کہا جاتا ہے۔ جس نے حیض کی حالت میں طلاق دی اس نے **فطلقو ھن لعدتھن** کی مخالفت کی مگر اس مخالفت کے باوجود طلاق ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے باب ہی یوں قائم کیا ہے **باب اذا طلقت الحائض یعتد بذالك الطلاق** (بخاری ص ۷۹۰ ج ۲) یعنی جب حیض والی عورت کو طلاق دی جائے تو وہ طلاق شمار ہو گی۔ اور غیر مقلدین حضرات بھی مانتے ہیں کہ حیض کی حالت میں دی گئی طلاق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خانؒ صاحب لکھتے ہیں کہ حیض والی عورت کو اسکی رضا کے بغیر طلاق دینے کی حرمت پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر کسی نے ایسی طلاق دی تو گنہگار ہو گا اور اس کو رجوع کا حکم دیا جائیگا اور بعض اہل ظاہر نے کہا کہ ایسی طلاق نہیں ہوتی کیونکہ ایسی طلاق کی اجازت نہیں مگر والصواب الاول کہ پہلی بات درست ہے (السراج الوہاج ص ۲۴۹۔ ۲۵۰ ج ۱) اور ترمذی شریف ص ۲۲۲ ج ۱) میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے جسمیں ہے کہ انہوں نے حیض کی حالت میں اپنی عورت کو طلاق دی تو جب حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ طلاق شمار کی گئی تھی تو انہوں نے فرمایا **فمه ارأیت ان عجز واستحمق** کہ رک جا تیرا کیا خیال ہے اگر وہ حماقت کا مظاہرہ کرے تو کیا طلاق واقع نہ ہو گی۔ اس پر غیر مقلد محدث مبارکپوریؒ لکھتے ہیں **فکانه قال وهل من ذالك بد** (تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۹ ج ۲) گویا کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ کیا اس سے فرار ہو سکتی تھی۔ یعنی اسکو لازماً شمار کیا گیا۔ علامہ ابن حجرؒ حیض کی حالت میں دی گئی طلاق والی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں وقال ابن عبد البر لا یخالف فی ذالک الا اهل البدع والضلال یعنی الان (فتح الباری ص ۲۶۷ ج ۱۱) کہ حیض کی حالت میں طلاق کے واقع ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اسی لئے ابن عبد البرؒ نے فرمایا کہ اب اسکی مخالفت صرف بدعتی اور گمراہی کرے گا۔ غیر مقلد عالم سے سوال ہوا کہ کیا طلاق بدعی واقع ہو گی یا نہ تو جواب دیا طلاق واقع ہو جائیگی (فتاوی ثنائیہ ص ۲۰۰ ج ۲) اس بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حیض

کی حالت میں دی گئی طلاق **فطلقو هن لعدتهن** کے مخالف ہونے کی وجہ سے بدعی ہے اور اس کے باوجود شمار ہوتی ہے۔

مذکورہ آیات میں احکام:

جناب محمدی صاحب نے سورۃ الطلاق کی جن آیات کو بیان کر کے ان کا ترجمہ کیا ہے ان میں ایک تو قانون کی پابندی کی تعلیم دی گئی ہے اور جناب محمدی صاحب نے اپنی نظر کو اسی میں بند رکھا حالانکہ ان میں یہ الفاظ بھی ہیں **و من يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه** کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کیا تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی جو شخص حدود اللہ میں تعدی کرے یعنی ان حدود و احکام کی خلاف ورزی کرے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا یعنی اللہ کا یا شریعت اسلام کا کچھ نہیں بگاڑا اپنا ہی نقصان کیا ہے اور یہ نقصان عام ہے دینی بھی اور دنیاوی بھی۔ دینی نقصان تو اس میں خلاف شرع کرنے کا گناہ اور اس کا وبال آخرت ہے۔ اور دنیاوی نقصان یہ ہے کہ جو شخص شرعی ہدایت کے بغیر طلاق دے بیٹھتا ہے وہ اکثر تین طلاقوں تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد آپس میں رجوع یا نکاح جدید بھی نہیں ہو سکتا۔ اور آدمی اکثر طلاق دینے کے بعد پچھتاتا ہے اور مصیبت جھیلتا ہے۔ خصوصاً جبکہ صاحب اولاد بھی ہو۔ اس لیے یہ مصیبت دنیا ہی میں اپنی جان پر پڑی (معارف القرآن ص ۴۸۲ ج ۸) اسی طرح امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جمہور اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ جس آدمی نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اس کو خبر نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔ کہتے ہیں کہ کبھی طلاق دینے والا نادم ہوتا ہے مگر اسکی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔ اسلئے تین طلاقوں کی وجہ سے ان میں جدائی واقع ہو گئی۔ اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوں تو پھر ایک رجعی واقع ہو گی۔ تو وہ نادم تو نہ ہو گا (نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج ۱) اور پھر مذکورہ آیات میں یہ بھی ہے **و من يتق الله يجعل له مخرجا** کہ جس نے خداخوفی کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے مصیبت سے نکلنے کا راستہ بنا دیں گے۔ اس کی تفسیر میں امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے اس طریق کار کے مطابق طلاق دی جو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو اگر وہ عدت میں رجوع نہ بھی کرے اور عدت گزر جائے اور پھر وہ اپنے معاملہ میں پریشان ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے بھی اس پریشانی سے نکلنے کی کوئی سبیل فرما دیں گے۔ کہ وہ اس عورت کی طرف نئے سرے سے نکاح کا پیغام بھیج کر اس سے نکاح کرلے **ولو طلقها ثلا ثا لم يكن له الى ذالك سبيل** اور اگر اس نے تین طلاقیں دیدیں تو اس کے لئے پریشانی سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے (تفسیر طبری ص ۱۳۷ ج ۲۸)

علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو داؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت مجاہدؒ کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس تھا تو ایک آدمی نے آکر پوچھا کہ اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں تو حضرت ابن عباسؓ خاموش رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ بیشک وہ عورت اسکی طرف لوٹا دیں گے یعنی اسکو رجوع کا حق دیں گے پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی چلتا ہے پھر حماقت پر سوار ہو جاتا ہے پھر آکر کہتا ہے اے ابن عباس اے ابن عباس (یعنی نرمی کرنے کی درخواست کرتا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **و من يتق الله يجعل له مخرجا وانك لم تتق الله فلا اجدلك مخر جا عصيت ربك وبانت منك امرأتك** (فتح الباری ص ۲۷۷ ج ۱۱) کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے پریشانی سے نکلنے کا راستہ بناتا ہے اور بیشک تو نے خداخوفی کا مظاہرہ نہیں کیا تو میں تیرے لئے کوئی راستہ اس پریشانی سے نکلنے کا نہیں پاتا۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی بھی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے بائنہ ہو گئی۔ علامہ ابن حجرؒ نے اس روایت کو بسند صحیح بھی کہا ہے اور مزید کہا کہ اس کے متابعات بھی موجود ہیں۔

انصاف کی بات۔

غیر مقلدین حضرات اپنے نظریہ پر حضرت ابن عباسؓ کی ایک مبہم اور غیر صریح روایت کو دلیل میں پیش کرتے ہیں جسمیں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد اور حضرت عمرؓ کے ایام خلافت کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں الخ۔ اس روایت پر غیر مقلد شیخ الحدیث مولانا شرف الدین دہلوی صاحب نے دس اعتراضات کئے ہیں جن کو ہم نے ص ۴۲ میں ذکر کیا ہے نیز اس حدیث کے بارہ میں تفصیلی بحث عمدۃ الاثاث میں ملاحظہ فرمائیں یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرات محدثین

کرام کا قاعدہ ہے کہ اگر راوی اپنی مروی روایت کے خلاف عمل کرے یا فتوی دے تو وہ مروی روایت اسکے ہاں یا تو مؤول ہو گی یا منسوخ ہو گی۔ تو جب حضرت ابن عباسؓ نے اپنی مروی روایت کے خلاف فتوی دیا ہے جس کا ذکر علامہ ابن حجرؒ نے ابو داؤد کے حوالہ سے نقل کیا ہے تو وہ روایت مؤول ہو گی جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ والی روایت غیر مدخولہ بھا کے بارہ میں ہے یعنی ایسی عورت کے بارہ میں ہے جس سے نکاح کے بعد خاوند کو ملاپ کا موقع نہ ملا ہو اور طلاق کی نوبت آجائے جیسا کہ علامہ ماردینیؒ نے الجوھر النقی ص ۳۳۱ ج ۷) میں اور دیگر حضرات نے ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں غیر مدخولہ بھا کا ذکر ہے یا پھر یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کے ہاں منسوخ ہو گی جیسا کہ امام بیہقیؒ نے حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ بعید نہیں کہ یہ روایت جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ منسوخ ہو ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک حکم ان کو معلوم ہو اور پھر جان بوجھ کر اس کے خلاف عمل کرتے اور فتوی دیتے ہوں (سنن الکبری ص ۳۳۸ ج ۷) جناب محمدی صاحب کو ان مذکورہ آیات میں صرف یہی نظر آیا کہ ان میں احکام کی پابندی کی تعلیم دی گئی ہے اور **ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ** اور **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا** کا جو مفہوم علماء امت نے واضح کیا ہے اس سے آنکھیں بند رکھیں۔ جناب محمدی صاحب کا یہ فرمانا کہ لہذا انہیں ایسے انداز میں واقع قرار نہیں دیا جائے گا کہ رجوع کا حق ہی نہ رہے بلکہ اس انداز سے طلاق دی جائے گی کہ رجوع کا حق باقی رہے تو عرض ہے کہ جو شخص شرعی طریقہ کے مطابق طلاق دے گا اس کے لیے تو یہی حکم ہے مگر جو شرعی طریقہ سے تجاوز کرتا ہے اس کے بارہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں بتایا جا چکا ہے کہ ایسا آدمی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ اور فارغ خطی جیسے کنائی الفاظ اور اَنتِ عَلَیَّ حَرَامٌ کے الفاظ سے یا خلع کی صورت میں طلاق کی صورتوں میں تو غیر مقلدین حضرات کے نزدیک بھی رجوع کا حق نہیں ہے اس لئے یہ باور کرانا کہ ہم شرعی طریقہ سے تین طلاقیں دی گئی طلاق کے علاوہ باقی صورتوں میں رجوع کا حق دیتے ہیں یہ صرف مغالطہ دہی ہے۔ اس لئے کہ طلاق کی ہر صورت میں تو رجوع کا حق غیر مقلدین حضرات بھی نہیں دیتے جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بات بیان ہو چکی ہے۔

مقالہ۔ دوسری دلیل اللہ تعالے فرماتے ہیں **الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان** ۔ پچھلی آیت میں مذکورہ طلاق یعنی جس طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ پچھلی آیت میں اسی کا ذکر ہوا صرف دو مرتبہ ہے۔ اب اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ طلاقیں تین یا دو نہیں بلکہ طلاق ایک ہی ہے البتہ تین مرتبہ شریعت اسلام کے ضوابط کے مطابق دینے سے تین اور دو مرتبہ دینے سے دو مراد ہوتی ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہو سکے گا اور اگر رجوع کرلے پھر دوسری مرتبہ طلاق دے تو بھی رجوع جائز ہو گا یہاں کوئی ایسی طلاق نہیں جس کے بعد فوراً رجوع کا دروازہ بند ہو جائے ہاں اگر تیسری مرتبہ طلاق دے گا تو یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب نے یہاں بھی وہی دعوی کیا کہ طلاقیں تین یا دو نہیں بلکہ طلاق ایک ہی ہے اس کا تفصیلی جواب ہم پہلے دے چکے ہیں اور ان کا یہ فرمانا کہ یہاں کوئی ایسی طلاق نہیں جس کے فوراً بعد رجوع کا دروازہ بند ہو سکے۔ اسکا جواب بھی پہلے دیا جا چکا ہے۔ جناب محمدی صاحب یہ فرماتے ہیں البتہ تین شریعت اسلام کے ضوابط کے مطابق دینے سے تین اور دو مرتبہ دینے سے دو مراد ہوتی ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طلاق کے معاملہ میں شرعی طریق اختیار نہیں کرتا تو جناب محمدی صاحب کے نزدیک وہ دو یا تین شمار نہیں ہونگی۔ مثلاً ایک آدمی بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے۔ یہ طریقہ غیر شرعی ہے جناب محمدی صاحب کو اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔ زندگی میں پھر کسی وقت وہ بیک وقت تین ہی دیتا ہے یہ طریقہ غیر شرعی ہے تو اپنے فرمان کے مطابق جناب محمدی صاحب کو اس کا اعتبار بھی نہیں کرنا چاہئے۔ اور زندگی میں پھر اس کے بعد کسی وقت بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے تو جناب محمدی صاحب کو اس کا اعتبار بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ غیر شرعی طریقہ سے دی گئی ہیں اور ان کے ہاں ضابطہ یہ ہے کہ تین مرتبہ شریعت اسلام کے ضوابط کے مطابق دینے سے تین اور دو مرتبہ دینے سے دو مراد ہوتی ہیں۔

اب یا تو جناب محمدی صاحب واضح کریں کہ یہ طریقہ شریعت اسلام کے ضوابط کے مطابق ہے اس لئے ان کا اعتبار ہو گا۔ اگر شریعت اسلام کے مطابق نہیں تو اپنے فرمان کے مطابق ان کا اعتبار نہ کریں اور لوگوں کو کھلی چھٹی دیدیں کہ غیر شرعی طریقہ سے دی گئی طلاق

کالعدم ہوگی۔ اور اگر جناب محمدی صاحب کے ہاں ایسے انداز سے یکے بعد دیگرے تین تین طلاقیں دی گئی کا اعتبار ہے تو غیر شرعی طریقہ ہونے کے باوجود کیوں اعتبار ہے؟

مقالہ۔ یہ بات واضح ہے کہ یہاں پہلی یا دوسری مرتبہ کوئی ایسی طلاق نہیں جس سے رجوع کا حق ختم ہوتا ہو۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے اگر مرد طلاق دیدے تو طلاق یافتہ عورتیں دوران عدت کہیں نکاح نہیں کر سکتیں اور اس دوران خاوند کو رجوع کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اور ایسی طلاق دو مرتبہ ہے یہاں لوگ پہلی مرتبہ ہی حق رجوع ختم کر کے حلالہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ معاذاللہ۔

جواب مقالہ۔ ہم پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ اس دعوی کی کوئی حقیقت نہیں کہ پہلی یا دوسری مرتبہ کوئی ایسی طلاق نہیں جس سے رجوع کا حق ختم ہوتا ہے اسلئے کہ خود غیر مقلدین حضرات کے ہاں طلاق کی ایسی صورتیں پائی جاتی ہیں جو پہلی مرتبہ بھی ہیں۔ اور رجوع کا حق بھی نہیں رہتا۔ جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ یہاں لوگ پہلی مرتبہ ہی حق رجوع ختم کر کے حلالہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تو عرض ہے کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کا حق نہ رہنے کا نظریہ نہ تو کسی کے متفرد مسائل میں سے ہے اور نہ ہی بعد کی ایجاد ہے بلکہ قرآنی حکم **فان طلقها فلا تحل له**(الآیۃ) کا مفہوم اسی کو بتاتا ہے کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کا حق نہیں ہے۔ اور یہی نظریہ حبر الامت حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا ہے جس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے کہ انھوں نے اکٹھی تین طلاقیں دینے والے سے یہی فرمایا کہ تیرے لئے اب کوئی راستہ نہیں ہے۔ باقی جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ حلالہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تو ہم پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ علی الاطلاق حلالہ کی حیثیت کا انکار تو غیر مقلدین حضرات کو بھی نہیں ہے۔ اور حلالہ کی صورتوں میں سے بعض صورتیں جو فقہاء نے بتائی ہیں اور جن کا بوقت ضرورت ہمارے اصحاب مشورہ دیتے ہیں ان کا نقصان اور انکی قباحت اتنی نہیں ہے جتنی قباحت اس میں ہے کہ غیر مقلدین حضرات امام ابن تیمیہؒ کے متفرد مسئلہ پر فتوی دے کر ناخواندہ لوگوں کو زندگی بھر کے لئے حرام کاری میں دھکیلتے ہیں۔

مقالہ۔ اس آیت میں لفظ مرتان اپنے مفہوم میں نص ہے جسکا معنی یہ ہے کہ دو علیحدہ

علیحدہ دی گئی طلاق مراد ہے اس سلسلہ میں تقریباً تمام مفسرین ائمہ احناف سمیت کی رائے متفق ہے کہ مرتان سے دو علیحدہ علیحدہ دی گئی طلاقیں مراد ہیں کیونکہ عربی زبان میں لفظ مرتان صرف اس صورت میں استعمال ہوتا ہے جب کوئی کام یکے بعد دیگرے دو متفرق اور مختلف اوقات میں کیا جائے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں لان المرات لاتکون الابعد تفریق بالاجماع کہ یہ بات متفق علیہ ہے اس پر اجماع ہے کہ لفظ مرتان یا مرات کے معنی صرف مختلف اور متفرق اوقات میں کئے گئے امور میں پایا جاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ بات سمجھانے کے لئے بعض مفسرین نے بطور مثال یہ بات کہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو دو روپے اکٹھے دے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے دو مرتبہ روپے دیئے ہیں۔ دو روپے اکٹھے دے اور کہے کہ میں نے دو مرتبہ دیئے ہیں دو مرتبہ روپے دیئے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کہیں گے کہ دو روپے دیئے ہیں۔ دو مرتبہ صرف اس صورت میں کہا جائیگا جب یکے بعد دیگرے دے گا۔ لہذا جو شخص اپنی بیوی کو دو یا تین طلاقیں اکٹھی دے گا تو اسے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے دو مرتبہ طلاق دی ہے۔ اللہ اکبر یہی وجہ ہے کہ بات سمیٹتے ہوئے امام رازی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ پہلا جو کہ بہت سے علماء دین کا اختیار کردہ اور پسندیدہ ہے یہ ہے کہ **لو طلقها اثنتین او ثلا ثالایقع الا الواحدة وهذا القول هو الاقیس**۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دو یا تین طلاقیں دے گا تو صرف ایک ہی واقع ہوگی اور یہی موقف قانون اور قیاس کے انتہائی زیادہ قریب ہے۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ اس آیت میں مرتان اپنے مفہوم میں نص ہے جسکا معنی یہ ہے کہ دو علیحدہ علیحدہ دی گئی طلاق مراد ہے تو اس کا جواب بھی پہلے ص میں باحوالہ گزر چکا ہے۔ نیز اسی آیت سے استدلال کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں **والجواب عن الاحتجاج بالاية انها كما علمت ليست نصافی المقصود** (روح المعانی ص ۱۳۷ ج ۲) آیت سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جو آپ کا مقصود ہے وہ اس میں نصاً نہیں پایا جاتا جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرتان کی رٹ جو جناب محمدی صاحب لگاتے جارہے ہیں اسکی غیر مقلدین حضرات کے ہاں جو حیثیت ہے اس کو واضح کر دیا جائے تاکہ عوام الناس کو معلوم ہو جائے کہ یہ طبقہ مرتان

کا کتنا پاس رکھتا ہے۔

جناب محمدی صاحب نے خود اپنے اسی مقالہ کی ابتداء میں طلاق کی جو صورتیں بیان کی ہیں ان میں یہ صورت بھی بیان کی یا یوں کہے کہ تجھے طلاق پھر تھوڑی دیر بعد کہے تجھے طلاق پھر تھوڑی دیر بعد کہے تجھے طلاق اور پھر اس کے بارہ میں اس موقف کی تائید کی کہ یہ انداز طلاق حرام اور ناجائز ہے البتہ صرف ایک طلاق واقع ہو گی الخ۔ قارئین کرام غور کریں کہ یہ طلاقیں مَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ ہیں اس لیے کہ جب ایک دفعہ کہا کہ تجھے طلاق تو یہ مَرَّۃً ہو گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا تجھے طلاق تو یہ مَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ ہو کر مَرَّتَانِ ہو گیا اور جب پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا تجھے طلاق تو یہ تیسری طلاق مَرَّتَانِ کے بعد ہے مگر اس کے باوجود جناب محمدی صاحب اس کو ایک رجعی قرار دیتے ہیں تو انھوں نے خود مرتان کا کیا پاس رکھا۔ اگر کوئی فعل معمولی معمولی وقفہ سے کیا جائے تو عرف میں بھی اور شرعی حکم میں بھی اسکو مرۃ بعد مرۃ قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی کسی کو ایک دفعہ آواز دیتا ہے پھر کچھ وقفہ کے بعد دوبارہ آواز دیتا ہے تو آواز دینے والا کہتا ہے کہ میں نے تجھے دوبار آواز دی۔ اور یہ عرف میں عام ہیں اسکا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور شریعت میں بھی معمولی وقفہ سے متعدد بار کئے گئے افعال کو مرۃ بعد مرۃ قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ آپس میں لعان کرنے والے میاں بیوی قاضی کی عدالت میں ایک ہی مجلس میں چار چار مرتبہ اپنے سچے ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور ان کو اربع شہادات قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ پارہ نمبر ۱۸ سورۃ النور آیت نمبر ۶ میں ہے اسی طرح زنا کا اقرار کرنے والا چار مرتبہ اقرار کرتا ہے جیسا کہ حضرت ماعز الاسلمیؓ نے حضور علیہ السلام کے سامنے معمول وقفہ کے ساتھ یکے بعد دیگرے چار مرتبہ اقرار کیا تو آپ ﷺ نے اس کو اربع مرات قرار دیا جیسا کہ ترمذی ص ۲۲۸ ج ۱ وغیرہ کی روایت میں ہے اور اس کے تحت غیر مقلد عالم محدث مبارکپوری صاحبؒ ایک مسئلہ میں احناف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں **وایضا لو فرضنا اشتراط کون الاقرار اربعالم یستلزم کون مواضعه متعددة اماعقلا فظاهر لان الاقرار اربع مرات او اکثر منها فی موضع واحد من غیر انتقال ممالایخالف فی امکانه عاقل** (تحفۃ الاحوذی ص ۳۲۱ ج ۲) یعنی اربع مرات کیلئے چار مختلف جگہوں کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اربع مرات یا اس سے

زائد کا ایک ہی جگہ میں ہونے کی کوئی بھی عقلمند مخالفت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت عمرؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور باہر کھڑے ہو کر تین دفعہ سلام کیا اور اجازت مانگی تو جواب نہ ملا تو واپس ہوئے حضرت عمرؓ نے آکر پوچھا تو فرمانے لگے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تین دفعہ کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ (ترمذی ص ۹۸ ج ۲) اس کے تحت محدث مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں **بل استاذن فی کل مرة فلم یوذن له فرجع** (تحفۃ الاحوذی ص ۳۸۵ ج ۳) کہ حضرت ابو موسیٰؓ نے ہر مرتبہ اجازت مانگی تو جب اجازت نہ ملی تو واپس لوٹ آئے۔

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ عرف عام اور شریعت دونوں کی رو سے معمولی وقفہ سے یکے بعد دیگرے کئے گئے کام پر مرۃ بعد مرۃ کا اطلاق ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب غیر مقلد عالم مولانا محمد عبد اللہ امرتسریؒ صاحب سے ایک سوال ہوا تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں جب تین طلاقیں متفرق ہوں تو عورت بالاتفاق حرام ہو جاتی ہے خواہ تھوڑی مدت کے بعد دے یا کئی سالوں میں دے اور خواہ درمیان میں رجوع کیا ہو یا نہ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره**۔ یعنی تیسری طلاق کے بعد حلال نہیں یہاں تک کہ کسی اور خاوند سے نکاح پڑھے (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲۵۸ ج ۳) مولانا عبد اللہ امرتسری صاحب نے تو تسلیم کر لیا کہ معمولی وقفہ سے دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا جائیگا اسلئے کہ قرآن کریم کی آیت سے یہی مفہوم واضح ہوتا ہے مگر جناب محمدی صاحب سمیت دیگر بعض غیر مقلد علماء اسکو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مولانا نذیر حسین صاحبؒ لکھتے ہیں باقی کرات مرات کہنا لغو ہے بہر صورت طلاق ایک واقع ہو گی کیونکہ عین حکم اللہ و رسول کا یہی ہے کہ طلقات متعددہ وقت واحد بلکہ طہر واحد میں حکم میں ایک طلاق میں ہے (فتاویٰ نذیریہ ص ۸۱ ج ۳) قارئین کرام غور فرمائیں کہ کس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ ایک طہر میں بھی طلقات متعددہ کا ایک ہونا عین اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ غیر مقلدین کے شیخ الکل تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں سے

در گذر فرمائے۔ مگر جناب محمدی صاحب جیسے علماء موجود ہیں کیا وہ قرآن کریم کی کوئی ایک آیت اور نبی کریم ﷺ کی کوئی ایک حدیث ثابت کر سکتے ہیں جس کا صریح مفہوم یہ ہو کہ ایک طہر میں دی گئی متعدد طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں ہیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

جناب محمدی صاحب اس پر بڑے خوش ہوئے کہ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ پہلا مؤقف قانون اور قیاس کے انتہائی زیادہ قریب ہے مگر محمدی صاحب نے اس سے آگے عبارت دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ امام رازیؒ نے تیسرے قول کو تفسیر حسن اور آیت کے سیاق وسباق کے مطابق قرار دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ نئی کلام نہیں بلکہ یہ اپنے ماقبل کے ساتھ متعلق ہے تو اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طلاق کے بعد خاوند کو رجوع کا حق ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دو طلاقیں پائی جائیں اور دو طلاقوں کے بعد بالکل رجوع کا حق نہیں رہتا۔ اور یہ مفہوم اس صورت میں ہوگا کہ الطلاق میں الف لام عہد کا ہو اور معہود پہلے مذکورہ ہے یعنی جس طلاق کے بارہ میں ہم نے یہ حکم لگایا ہے کہ اسمیں رجوع کا حق ثابت ہوتا ہے وہ طلاق ہے جو دو مرتبہ پائی جائے فھذا تفسیر حسن مطابق لنظم الآیۃ (تفسیر کبیر ص ۱۰۳ ج ۶) یہ تفسیر بہتر ہے اور آیت کے سیاق وسباق کے مطابق ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ لوگوں میں اپنے بارہ میں یہ مشہور کرانے والے کہ ہم قیاس کو نہیں بلکہ قرآن وسنت کو لیتے ہیں انہوں نے یہاں اس قول کو یکسر نظر انداز کر دیا جس کو امام رازیؒ نے آیت کے سیاق وسباق کے مطابق قرار دیا ہے اور اس قول پر خوش ہو گئے کہ یہ قول قیاس کے مطابق ہے۔ باقی امام رازیؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مرتان کا مطلب ہے مرۃ بعد مرۃ ہو تو جناب محمدی صاحب کو یہ عبارت پیش کرنے سے پہلے غور کر لینا چاہئے تھا کہ کیا ان کا اپنا نظریہ اس کے مطابق ہے۔ اور پہلے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے کہ جناب محمدی صاحب اور ان کے طبقہ کے ہاں مرتان کا کتنا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

مقالہ۔ تیسری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولاتمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ کہ جب آپ بیویوں کو طلاق دیں اور عدت یعنی اختتام

عدت کو پہنچیں تو انہیں اچھے انداز سے روک لو یعنی رجوع کر لو۔ یا اچھے انداز سے فارغ کر دو اور انہیں نقصان دینے کے ارادہ سے نہ روکو جو ایسا کرے گا وہ ظالم ہوگا۔ اب اس آیت میں طلاق کے بعد رجوع اور صلح کرنے کا حق بیان کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت اسلام میں کوئی ایسی طلاق نہیں جس سے خاوند کو رجوع اور صلح کا اختیار نہ ملتا ہو۔ سوائے تیسری مرتبہ طلاق دینے کے۔ سارا قرآن پڑھیں کہیں بھی ایسی طلاق نہیں نکلے گی جو تیسری مرتبہ بھی نہ ہو اور اس کے بعد رجوع کا حق بھی نہ ہو۔ سوائے غیر مدخولہ کے۔ اسلئے نبی کریم ﷺ تین طلاقوں کو صرف ایک قرار دیتے ہیں تاکہ رجوع کا حق باقی رہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی طلاق کا بیان ہوگا وہیں طلاق کے بعد رجوع اور صلح کا صراحتاً یا اشارتاً ضرور ذکر ہوگا۔

جواب مقالہ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شریعت میں طلاق کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے اسکی پابندی میں آسانی کا راستہ موجود ہے مگر جو اس طریقہ کے خلاف کرتا ہے وہ آسانی سے محروم رہتا ہے۔ اسلئے کہ فقد ظلم نفسہ اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ نیز یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ طلاق کی کئی ایسی صورتیں غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہیں جو تیسری مرتبہ بھی نہیں مگر ان میں رجوع کا حق بھی نہیں ہے تو اس کے باوجود کہنا کہ کوئی ایسی طلاق نہیں جو تیسری مرتبہ بھی نہ ہو اور اس میں رجوع کا حق بھی نہ ہو وہ شریعت میں نہیں پائی جاتی۔ یہ صرف عوام الناس کو دھوکا دینا ہے۔ پھر اس آیت میں رجوع کو لازم نہیں کیا گیا بلکہ صرف رجوع کا اختیار دیا گیا ہے کہ فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف۔ کہ انہیں اچھے انداز سے روک لو یا اچھے انداز سے فارغ کر دو۔ جب اس میں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ خواہ رجوع کا حق حاصل کرے یا نہ کرے تو اگر کوئی ابتداء ہی میں اپنے رجوع کے حق کو ساقط کرتے ہوئے تین طلاقیں اکٹھی دے دیتا ہے تو اس کے لئے رجوع کو کیسے لازم قرار دیا جا سکتا ہے۔

مقالہ۔ چوتھی دلیل۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن ان کن یؤمن باللہ والیوم الاخر وبعولتھن احق بردھن فی ذالک ۔ کہ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو

تین ماہواریوں تک روکیں یعنی نکاح نہ کریں اور ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس بچے کو چھپائیں جو اللہ نے پیدا کر دیا۔ اگر وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اور ان کے خاوند خاوندوں کو دوران عدت ان سے رجوع اور صلح کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اس آیہ کریمہ میں بھی طلاق کی صورت میں خاوند کو رجوع کا حق دیا گیا ہے رجوع کا حق چھیننے کی صورت شریعت اسلام میں کہیں بیان نہیں ہے۔ لہذا کوئی شخص ہزار طلاق بھی دے تو صرف وہی طلاق ہو گی جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کرتا ہے اللہ تعالی محفوظ فرمائے۔

جواب مقالہ۔ ہمیں ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک دفعہ ایک خطیب صاحب نے اعلان کیا کہ آئندہ جمعہ کے وعظ میں قرآن کریم سے حضرت حسینؓ کی شان ثابت کروں گا۔ اس علاقہ کے علماء حیران ہوئے اور اپنے کام کاج چھوڑ کر اس خطیب صاحب کے وعظ میں حاضر ہوئے۔ کہ دیکھیں کہ کن آیات سے اور کس انداز سے قرآن کریم سے حضرت حسینؓ کی شان بیان کی جائیگی تو خطیب صاحب نے سورۃ الاخلاص کی تلاوت کی اور اس کا ترجمہ کر کے کہنے لگے لوگو یہ وہ سورت ہے جو حسین کے نانا پر نازل ہوئی۔ دیکھو کس قدر شان ہے حسین کی کہ اس کے نانا پر اس جیسی سورتیں نازل کی گئیں۔ یہ تھا اس خطیب صاحب کا اپنے موضوع کے ساتھ ربط۔ اسی طرح جناب محمدی صاحب کا دعوی تو یہ ہے کہ جو لوگ اکٹھی تین طلاقوں کو تین ہی مانتے ہیں۔ ان کا نظریہ درست نہیں ہے۔ بلکہ درست اور کتاب وسنت کے مطابق نظریہ یہ ہے کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں بلکہ ایک طہر میں دی گئی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہے مگر جتنی آیات انھوں نے پیش کی ہیں ان کے دعوی کے مطابق دلیل ہونے کا ایک معمولی سا اشارہ بھی موجود نہیں صرف اتنا ذکر ہے کہ شرعی طریقہ سے طلاق دینے کی صورت میں رجوع کا حق دیا گیا ہے حالانکہ بحث شرعی طلاق کی نہیں بلکہ بدعی طلاق کی ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟

اس لیے کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں بالاتفاق بدعی طلاق ہے قران کریم کی جتنی آیات جناب محمدی صاحب نے پیش کی ہیں ان سب میں شرعی طلاق کا طریقہ اور حکم بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے تلک حدود اللہ فرمایا کہ یہ اللہ تعالی کی مقرر کردہ حدود ہیں اور آگے

ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه اور جو اللہ تعالےٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ ان آیات کا جناب محمدی صاحب کے دعوی کے ساتھ ذرا بھی تعلق نہیں بلکہ یہ آیات ان کے دعوی کے خلاف کو ثابت کر رہی ہیں جسکو ہر صاحب بصیرت سمجھ سکتا ہے۔ جناب محمدی صاحب نے اپنے اس مقالہ میں فرمایا ہے کہ طلاق سے نکاح کا ازالہ ہو جاتا ہے حالانکہ اس آیت کے الفاظ وبعولتهن احق بردهن جناب محمدی صاحب کے اس نظریہ کی تردید کر رہے ہیں اسلئے کہ خاوند نے طلاق دے رکھی ہے اس لئے ان عورتوں کو المطلقات کہا گیا اور ابھی تک خاوند نے رجوع نہیں کیا مگر اس کے باوجود اس مرد کو اس مطلقہ عورت کا خاوند قرار دیا جا رہا ہے۔ اگر طلاق سے نکاح ختم ہو چکا تو یہ مرد اس عورت کا خاوند کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ہزار طلاق بھی دے تو صرف وہی طلاق ہو گی کہ جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ تو ان کا یہ نظریہ حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت شدہ نظریہ سے بالکل متصادم ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی اپنی عورت کو ہزار طلاق دیتا ہے۔ تو اس کے لئے کیا حکم ہے تو فرمایا يكفيك من ذالك ثلاث وتدع تسعمائة و سبعاً و تسعين کہ ان میں سے تجھے تین کافی ہو گئیں اور باقی نو سو ستانوے چھوڑ دے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا ثلاث تحرم عليك امرأتك وسائرهن وزر اتخذت آيات الله هزوا. کہ تین کے ساتھ تو تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی اور باقی تجھ پر وبال ہے اس لیے کہ تو نے اللہ تعالی کی آیات کے ساتھ استہزاء کیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کہ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہو گئی۔ چونکہ تو نے خدا خوفی کا مظاہرہ نہیں کیا اس لیے تیرے لیے کوئی آسانی کا راستہ نہیں ہے (دارقطنی ص ۱۲۔ ۱۳ ج ۴) غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ صاحب المنتقی نے حضرت ابن عباسؓ کی ان تین روایت کے بعد کہا وهذا كله يدل على اجماعهم على صحة الوقوع الثلاث بالكلمته الواحدة. یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے پر ان کا اجماع ہے۔ نیز عظیم آبادی صاحب نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت

عثمانؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اسی قسم کی روایات کا حوالہ دیا ہے اور بعض کو نقل بھی کیا ہے۔ مگر کسی پر بھی جرح نہیں کی جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے ان روایات کو قبول کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو التعلیق المغنی ص ۱۳ ج ۴)

مقالہ۔ کتاب اللہ کے اس واضح بیان کے بعد احادیث مبارکہ اور نبی پاک ﷺ کے فیصلوں کی طرف بھی نظر فرمائیں۔ صحیح مسلم جلد اول صفحہ نمبر ۴۷۸ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے **کان الطلاق علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحد**۔ کہ نبی ﷺ کے زمانے میں حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں حضرت عمر کے ابتدائی دور میں اکھٹی تین طلاقوں کو صرف ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالی کے بیان کردہ دستور العمل کہ ہر مختلف فیہ مسئلہ کو قران وسنت کی طرف لوٹاؤ پر اگر عمل کرنے کا ارادہ ہو تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جو فیصلے سامنے آئے ہیں اسے پوری انہیں پوری طرح قبول کر لیا جائے ورنہ اللہ تعالی کی طرف سے شدید وعید ہے **فلا وربك لایؤ منون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوافی انفسهم حرجا مماقضیت و یسلموا تسلیما۔**

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذاقضی الله ورسوله امران یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقدضل ضلالامبینا۔ کسی مومن مرد عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد انہیں کچھ اختیار ہو جو اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہو گا۔ **انما کان قول المؤمنین اذادعوا الی الله ورسوله لیحکم بینهم ان یقولواسمعنا واطعنا** ۔ مومن کی نشانی یہی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کی طرف بلایا جائے تو سن کر اس پر عمل کرے اطاعت اور فرمانبرداری کریں اسلامی دستور العمل اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بجائے متفق صحیح احادیث مل جانے کے باوجود اپنے غلط خیال پر اڑ جانا کوئی دین کی خدمت نہیں ہے صحیح مسلم کی اس صحیح حدیث کے مل جانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص حق کی طرف نہیں لوٹتا تو صرف یہ سینہ زوری اور تعصب ہی ہو سکتا ہے۔

جواب مقالہ۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو جس مقصد کے لیے جناب محمدی صاحب اور ان کا طبقہ پیش کرتا ہے حیرانگی کی بات ہے کہ وہ مقصد اس روایت کا نہ تو خود حضرت ابن عباسؓ سمجھ سکے اور نہ ہی دیگر صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہؒ کی سمجھ میں آیا اور وہ مقصد سات سو سال بعد علامہ ابن تیمیہؒ کو سمجھ آیا اور پھر ان کی اتباع میں غیر مقلدین حضرات کو سمجھ آیا اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کی علمی مجلس شوری کے رکن تھے۔ اگر اس روایت کا وہی مفہوم اور مقصد ہوتا جو آج بیان کیا جارہا ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ مفہوم کیوں نہ بتایا۔ خاموش کیوں رہے بلکہ اس مفہوم کے خلاف ان کے نظریہ کی تائید کیوں کی؟ اور پھر حضرت ابن عباسؓ خود اس مفہوم کے خلاف فتوی کیوں دیتے رہے جیسا کہ باحوالہ پہلے ۷۵ میں بیان کیا جاچکا ہے اور ۴۲ میں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ غیر مقلد عالم مولانا شرف الدین دہلویؒ نے اس روایت پر دس اعتراضات کئے ہیں۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر سب سے پہلے اختلاف حضرت عمرؓ کے سامنے ہوا اور جن صحابہ کو اختلاف تھا ان کی تسلی کروادی گئی اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ جب یہ اختلاف ہوا تھا تو کیا انھوں نے اختلاف کو حل کرنے کے لئے **فان تنازعتم فی شیئی فردوه الی الله والرسول** کے قرآنی اصول کو پیش نظر نہ رکھا تھا کہ آج جناب محمدی صاحب اس کا سبق دے رہے ہیں اسکی ضرورت تو تب ہوتی کہ پہلے اس اصول پر عمل نہ کیا گیا ہوتا۔ اور پھر محمدی صاحب کی جرأت رندانہ دیکھیں کہ **فلا وربك** والی آیت جو بعض روایات کے مطابق حضرت عمرؓ کی شان میں نازل ہوئی تھی اسی آیت کو جناب محمدی صاحب ان کے خلاف پیش کر رہے ہیں۔ اسلئے کہ اس مسئلہ کے بنیادی ذمہ دار تو ان ہی کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری دو آیات کا نتیجہ بھی دیکھ لیں کہ جناب محمدی صاحب کس طرح حضرات صحابہ کرامؓ سے لیکر آج تک کے ان تمام مسلمانوں کے خلاف پیش کر رہے ہیں جو تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ معاذ اللہ۔

دیگراں را نصیحت خود را فضیحت۔

جناب محمدی صاحب نے بڑے طمطراق انداز میں وعظ کیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کو قبول کرنا چاہئے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ کی مسلم شریف سے روایت پیش

کر کے ترجمہ میں کھلی بددیانتی کا مظاہرہ کیا وہ ترجمہ کرتے ہیں اکٹھی تین طلاقوں کو۔ حالانکہ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جسکا معنیٰ اکٹھی کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس روایت پر غیر مقلد عالم جناب مولانا شرف الدین صاحب دہلویؒ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس روایت میں مجلس واحد کا ذکر ہی نہیں۔ عام اس سے کہ مجلس ایک ہو یا تین بلکہ اطہار ثلاثہ ہوں یا نہ۔ اور جس روایت میں مجلس واحد کا ذکر ہے وہ صحیح نہیں (ملاحظہ ہو فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۱۶ ج ۲)

مقالہ۔ بعض لوگ اس حدیث کو قبول نہ کرنے کی چند وجوہ بیان کرتے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ نمبر ایک کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کی تخریج نہیں کی جس سے پتہ چلا ہے کہ یہ حدیث ناقابل اعتماد ہے۔

نمبر دو کسی چیز کا آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں اور اسی طرح عہد صدیقی میں ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ وہ کام آنحضرت ﷺ کے حکم یا اجازت سے ہوا ہو۔ عمدۃ الاثاث یہ مولانا سرفراز صاحب کی کتاب ہے اس میں یہ باتیں لکھی ہوئی ہیں صفحہ نمبر چوراسی۔

نمبر تین یہ کہ بعید نہیں کہ یہ روایت جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے یہ منسوخ ہے چنانچہ عبداللہ بن عباس ہی سے یہ روایت ہے کہ پہلے تین طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا تھا مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ مزید فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن وحدیث اسی پر دال ہے۔

نمبر چار حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت کے زمانہ میں اور عہد صدیقی میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس عہد میں عموماً ایک وقت میں بجائے تین طلاقوں کے صرف ایک طلاق ہی دی جاتی تھی۔

نمبر پانچ کہ حضرت ابن عباس کی اس روایت کو اگر اپنے ظاہر پر ہی حمل کیا جائے اور ہر طرح سے اسکو بے غبار تسلیم کیا جائے تو پھر اس کا ان صحیح روایات سے تعارض لازم آئے گا جو جمہور کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر چھ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت مطلق نہیں بلکہ غیر مدخول بھا کے بارے میں ہے۔ ان اعتراضات کی حیثیت اور اصل حقیقت۔ مذکورہ بالا چھ اعتراضات میں سے ایک پہلے اعترض کا تعلق اس حدیث کے کچھ ضعف کے حوالہ سے ہے۔ اور باقی پانچ اسے

صحیح تسلیم کرلینے کی صورت میں ہیں۔ پانچ اعتراض اسے صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں بنتے ہیں ویسے نہیں بنتے۔

جواب مقالہ۔ عوام الناس کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر دام مجدہم نے تو اختصار سے کام لیتے ہوئے اس روایت پر اہل علم کی جانب سے کئے گئے چھ اعتراضات نقل کئے ہیں جبکہ غیر مقلد عالم مولانا شرف الدین دہلوی صاحبؒ نے دس اعتراضات کئے ہیں جن کا ذکر ہم نے ص۴۲ میں کر دیا ہے۔

اور پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مولانا صفدر صاحب نے یہ اعتراضات خود نہیں کئے بلکہ ائمہ محدثین سے نقل کئے ہیں اور عمدۃ الاثاث میں باقاعدہ انکے حوالے دیئے ہیں۔

پہلا اعتراض جس کو جناب محمدی صاحب نے توڑ موڑ کر پیش کیا ہے حالانکہ اصل اعتراض یوں نقل کیا گیا ہے۔ اول۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کی تخریج نہیں کی محض اسلئے کہ حضرت ابن عباسؓ کی جملہ صحیح روایات اس کے خلاف ہیں (محصلہ سنن الکبریٰ ص ۳۳۷ ج ۷) ملاحظہ ہو عمدۃ الاثاث ص ۸۱ تو یہ اعتراض امام بیہقیؒ سے نقل کیا ہے۔

دوسرا اعتراض جو کیا ہے اسی سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ اعتراض علامہ ابن حزمؒ نے کیا ہے جسکا حوالہ محلی ص ۲۰۶ ج ۱۰ دیا گیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ باقی اکثر فقہی مسائل میں غیر مقلدین حضرات علامہ ابن حزم کی بات مانتے ہیں اور یہاں انکی بھی نہیں مان رہے۔ اور پھر یہی اعتراض غیر مقلد مولانا شرف الدین دہلویؒ نے بھی کیا ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۱۶، ج ۲ ۔ اور تیسرا اعتراض امام بیہقیؒ نے امام شافعی سے نقل کیا ہے اور امام بیہقیؒ کی سنن الکبریٰ ص ۳۳۸ ج ۷ کا حوالہ دیا ہے۔ اور چوتھا اعتراض محدث امام ابو زرعہ رازیؒ، امام نوویؒ، امام خطابیؒ، علامہ زرقانیؒ، اور امیر یمانیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور انکی کتابوں سنن الکبریٰ ص ۳۳۸ ج ۷ نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج ۱۔ معالم السنن ص ۱۲۷ ج ۳۔ زرقانی شرح الموطا ص ۱۲۷ ج ۳ اور سبل السلام ص ۲۱۱ ج ۳ کے حوالے دیئے گئے ہیں اور پانچواں اعتراض اصول حدیث کے رو سے کیا گیا ہے اور جمہور کی دلیل کو اس روایت پر ترجیح کے وجوہ علامہ حازمیؒ کی کتاب الاعتبار سے بیان کی گئی ہیں اور چھٹا اعترض اس لحاظ سے

ہے کہ حضرت ابن اعباسؓ سے روایت کرنے والے بہت سے حضرات نے اس روایت میں
قبل ان ید خل بھا کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں تو ان روایات کو ساتھ ملا کر کہا گیا ہے کہ یہ
روایت مطلق نہیں بلکہ غیر مد خول بھا کے بارہ میں ہے اور اس کے باقاعدہ حوالے دیئے گئے
ہیں۔ جنکی تفصیل عمدۃ الاثاث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ لہذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ
جناب محمدی صاحب نے عمدۃ الاثاث کا جو رد کرنا چاہا ہے وہ دراصل عمدۃ الاثاث کا رد نہیں
بلکہ ان بزرگوں کا رد ہے جن کے حوالے عمدۃ الاثاث میں دیئے گئے ہیں۔
جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ پہلے اعتراض کا تعلق اس حدیث کے کچھ ضعف کے حوالہ
سے ہے اور باقی پانچ اسے صحیح تسلیم کر لینے کی صورت میں ہیں الخ اول تو یہ بات ہی درست
نہیں جو جناب محمدی صاحب نے کہی ہے اور اگر بالفرض مان لیں کہ اسی طرح ہے جسطرح
جناب محمدی صاحب نے کہا ہے تو اس کا فائدہ جناب محمدی صاحب کو کیا ہوگا؟ اسلئے کہ پہلے
اعتراض کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روایت کے الفاظ تو صحیح ہیں مگر امام بخاریؒ کی شرائط پر یہ روایت
پوری نہیں اترتی۔ اور دوسرے اعتراض کا نتیجہ یہ نکلا کہ الفاظ تو درست ہیں مگر یہ حضور علیہ
السلام کی اجازت سے نہ ہوتا تھا۔ اور تیسرے اعتراض کا نتیجہ یہ نکلا کہ الفاظ تو صحیح ہیں مگر
روایت منسوخ ہے اور ایسی کئی روایات ذخیرہ احادیث میں پائی جاتی ہیں جن کے الفاظ صحیح سند
کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں مگر وہ روایت منسوخ ہوتی ہے اور یہ بات ہم نے غیر مقلد عالم
محدث مبارکپوریؒ صاحب سے باحوالہ ص۳۴ میں نقل کی ہے۔ اور چوتھے اعتراض کا نتیجہ یہ
نکلا کہ الفاظ تو صحیح ثابت ہیں مگر ان کا مفہوم وہ نہیں جو غیر مقلدین بیان کرتے ہیں۔ اور
پانچویں اعتراض کا نتیجہ یہ نکلا کہ الفاظ تو صحیح ہے مگر ان کی صحت اس درجہ کی نہیں کہ
جمہور کی جانب سے پیش کی گئی دلیل پر اسکو راجح قرار دیا جائے اس لیے کہ ترجیح کی وجوہات
جمہور کی دلیل میں پائی جارہی ہیں اور چھٹے اعتراض کا نتیجہ یہ نکلا کہ الفاظ تو صحیح ثابت ہیں مگر
اس باب کی دوسری روایات کو ساتھ ملا کر اسکی تقیید ثابت ہوتی ہے یہ مطلق نہیں ہے اور
ذخیرہ احادیث میں اسکی بھی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس لیے عرض ہے کہ جناب محمد امین
محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ باقی پانچ اعتراض اسے صحیح تسلیم کر لینے کی صورت میں ہو سکتے ہیں
یہ کہنا ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

مقالہ۔ جہاں تک اس حدیث کی صحت کے حوالہ سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی
تخریج امام بخاری نے نہیں کی تو اس کا جواب جناب امام مسلم نے خود ہی واضح فرمادیا ہے صحیح
مسلم جلد اول صفحہ نمبر ۱۷۴ میں جناب امام مسلم ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ حضرت ابو ھریرہ والی وہ روایت جس میں **و اذا قرأ فانصتوا** کے الفاظ ہیں میں نے
اپنی صحیح میں اس لیے نہیں ذکر کی کہ اس کے صحیح ہونے پر تمام ائمہ حدیث متفق نہیں تھے
اس سے تو استدلال کرتے ہیں جو امام مسلم نے صرف اس لیے ذکر نہیں کی کہ اس پر تمام
ائمہ متفق نہیں۔ کہتے ہیں اس سے ضرور دلیل پکڑو اور سورۃ فاتحہ نہ پڑھو۔ اور امام مسلم
فرماتے ہیں **انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ** کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف وہی
احادیث ذکر کی ہیں۔ جن کے صحیح اور معتبر ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے یہی وجہ ہے کہ
امام مسلم، امام احمد، امام نسائی، امام ابو داؤد، امام حاکم اور دیگر محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں
اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے جو کہ اس حدیث کے صحیح اور مقبول ہونے کی واضح دلیل
ہے یہی وجہ ہے کہ اعتراض کرنے والے اس اعتراض پر خود ہی مطمئن نہیں اور یہ اعتراض
چھوڑ کر اسے درست اور صحیح تسلیم کرتے ہوئے دوسرے اعتراضات پیش کرنے لگتے ہیں۔
جب اس حدیث کے تمام روات جناب امام بخاری اور امام مسلم کے ہاں مقبول ہیں۔ ان ہی
رواۃ سے جناب امام بخاری بھی روایت ذکر کرتے ہیں امام مسلم بھی ذکر کرتے ہیں تو یہ کہنا
کیسے درست ہے کہ یہ روایت ائمہ حدیث کے ہاں مقبول نہیں۔
جواب مقالہ۔ یہ بات پہلے ص۲۱ میں بیان ہو چکی ہے کہ غیر مقلد شیخ الحدیث صاحب
نے اس وقت اس روایت پر دس اعتراضات ذکر کئے جبکہ بڑے بڑے اکابر غیر مقلد علماء
موجود تھے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اپنے شیخ الحدیث صاحب کو جواب دے کر مطمئن
کر کے اپنا ہمنوا نہ بنا سکا تو گویا ان اعتراضات کی حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا۔
باقی رہا یہ کہ امام مسلمؒ نے فرمایا ہے **انما وضعت ھھنا** تو اس کے بارہ میں بحث آگے ص۹۲
میں آرہی ہے۔ جناب محمدی صاحب کا **و اذا قرأ فانصتوا** والی روایت کو زیر بحث لانا اور کہنا
کہ امام مسلم نے اسکو اپنی صحیح میں ذکر نہیں کیا تو ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے اسلئے کہ اس
بارہ میں حنفی عالم مولانا عبدالعزیز صاحب۔ اور غیر مقلد عالم مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے

درمیان مناظرہ کے متفقہ حاکم مولانا سید سلیمان ندویؒ نے واضح فیصلہ دیا تھا کہ یہ روایت مسلم شریف کی ہے۔ اور اس بحث کے دلائل اور فیصلہ کیفیت مناظرہ تحریری کے نام سے شائع شدہ رسالہ میں موجود ہے۔ اسلئے اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ اعتراض کرنے والے اس اعتراض پر خود بھی مطمئن نہیں اس لئے اسکو چھوڑ کر دوسرے اعتراض کرنے لگتے ہیں تو ان کا یہ فرمانا مضحکہ خیز ہے اسلئے کہ معترض نے نمبر وار اعتراضات کئے ہیں اور جب گنتی باقی رکھی جاتی ہے تو پچھلا عدد متروک نہیں ہو جاتا بلکہ محسوب یعنی شمار ہوتا ہے۔ مولانا صفدر صاحب دام مجدہم نے بھی گنتی باقی رکھی ہے اور غیر مقلد شیخ الحدیث مولانا شرف الدین دہلویؒ نے بھی اعتراضات کرتے ہوئے گنتی باقی رکھی ہے ان کی تحریرات میں ان کو دیکھا جا سکتا ہے اس کے باوجود جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ مطمئن نہیں اسلئے اعتراض کو چھوڑ کر دوسرے اعتراضات کئے ہیں تو یہ قطعاً درست نہیں۔ بلکہ اس اعتراض کے ساتھ ساتھ دیگر اعتراضات بھی کئے ہیں

مقالہ۔ جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ فیصلہ آپ کے حکم سے ہوا تو گذارش ہے کہ آپ کے اس اعتراض سے دو باتیں بالکل واضح ثابت ہو رہی ہیں نمبر ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح اور مقبول ہے الحمد للہ۔ دوم یہ کہ فیصلہ یہی ہوتا تھا کہ اگر کوئی تین طلاقیں دے تو انہیں صرف ایک قرار دیا جائیگا اسے تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کسی اور کا ہوتا تھا اس دور میں۔ یہ کسی اور کا ہوتا تھا۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ یہ فیصلہ کس کا تھا تو کیا اس دور خیر القرون میں ایسے اہم معاملات کا فیصلہ رسول اللہ کے بغیر ہی کر لیا جاتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے **فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول**۔ ایسے معاملات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اور یہ بھی آپ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ لوگ طلاق کے مسائل آپ ہی سے پوچھتے ہیں اور آپ کے سامنے ایک ایسا شخص آیا جس نے تین طلاقیں اکٹھی دیں تو آپ ﷺ انتہائی سخت اور ناراض ہوئے اور کہا کہ کتاب اللہ کے ساتھ مذاق ہے۔ مزید گذارش ہے کہ اس دور میں ابھی تقلید بے چاری پیدا بھی نہیں ہوئی تھی جس کے نتیجے میں اس بات کا کہیں امکان ہو کہ معاملہ اتنا اہم ہو اور فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کی بجائے کسی اور سے کروایا جائے

فیصلہ بھی ایسا ہو جو آپ کی ساری زندگی نافذ رہا ہو اور آپ کو پتہ ہی نہ ہو۔ خلافت صدیق میں بھی نافذ رہا ہو کسی کو پتہ بھی نہ ہو۔

جواب مقالہ۔ ہم نے پہلے ص **۲۸** میں اسکی وضاحت کر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات خلفاء راشدینؓ کے دور میں بعض ایسے کام ہوتے رہے ہیں جن کا ان حضرات کو پتہ بھی نہ چلتا رہا اور غیر مقلدین حضرات کا اعتراف و اقرار با حوالہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہ محدثین و شارحین اور دیگر علماء تو اس روایت میں موجود علی عہد رسول اللہ کے الفاظ کا معنے یہی کرتے ہیں کہ یہ فعل حضور ﷺ کے زمانہ میں ہوتا تھا مگر جناب محمدی صاحب کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کا یہ معنے کرنے پر مصر ہیں کہ یہ فعل حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں ان کے فیصلہ سے ہوتا تھا تو ہم نے یہ گذارش پہلے بھی کی ہے اور اب بھی گذارش کرتے ہیں کہ ان مبارک ہستیوں کے ایک ایک فیصلہ کی صحیح اسناد کے ساتھ ایک ایک روایت ایسی ذکر فرما دیں جو سند کے لحاظ سے صحیح اور مفہوم کے لحاظ سے صریح اور واضح بھی ہوں کہ یہ فیصلہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اور یہ فیصلہ اس معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اور یہ فیصلہ اپنے دور خلافت کے ابتدائی سالوں میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے۔ تاکہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے مگر

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اور پھر جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں تو کیا اس دور خیر القرون میں ایسے اہم معاملات کا فیصلہ رسول اللہ کے بغیر ہی کر لیا جاتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے **فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول** الخ۔ تو ہم جناب محمدی صاحب کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ آپ تو فیصلہ ثابت کر سکیں گے اسوقت جبکہ صحیح اسناد کے ساتھ حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فیصلہ والی روایات پیش کریں گے مگر یہ واضح ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کے مشورہ اور ان کی موجودگی میں فیصلہ فرمایا کہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں تو کیا وہ خیر القرون کا دور نہ تھا؟ اور کیا ان کو **فان تنازعتم فی شیئ** والی آیت معلوم نہ تھی؟ کچھ تو خدا کا خوف پیش نظر رکھیں خواہ مخواہ اپنے غلط نظریہ کی خاطر کیوں دینی

اقدار کو پامال کئے جا رہے ہیں۔ پھر جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ اس دور میں تقلید بے چاری ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی الخ۔ ہمیں تو ان غیر مقلدین کی دوغلی پالیسی پر حیرانگی ہوتی ہے ایک جانب کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ تقلید پیدا ابھی نہیں ہوئی تھی اور دوسری جانب قرآنی آیات **قالو بل نتبع ما الفینا علیه اباءنا** وغیرہ کو اس تقلید کے خلاف پیش کرتے ہیں جو تقلید ائمہ رابعہؒ کی جاتی ہے حالانکہ قرآن کریم نے اس تقلید کا رد کیا ہے جو جاہلیت کے دور میں پائی جاتی تھی ائمہ اربعہؒ کی تقلید جن اصول و ضوابط اور دلائل سے ثابت ہوتی ہے اور اس کے لئے جو طریق کار بتلایا گیا ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس تقلید اور جاہلیت کے زمانہ میں پائی جانے والی تقلید کے مفہوم میں زمین وآسمان کے فرق سے بھی زیادہ فرق ہے۔ مگر حیرانگی کی بات ہے کہ جب غیر مقلدین علماء کا موڈ ہو گا تو یوں کہہ دیں گے کہ اس دور میں یہ تقلید بے چاری پیدا بھی نہیں ہوئی تھی اور جب موڈ بدلے گا تو اس کی مخالفت میں **قالوا بل نتبع** جیسی آیات کو پیش کرنا شروع کر دیں گے۔ آخر موڈی لوگ ہیں ناں۔

مقالہ۔ تیسرا اعتراض کہ یہ روایت منسوخ ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہی روایت ہے کہ پہلے تین طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا تھا مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اسکی حقیقت واضح کرنے سے پہلے گذارش ہے چار پانچ چھ نومبر **1973**ء کو اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد انڈیا میں منعقد ہونے والی تطلیقات ثلاثہ کے متعلق سیمینار کے حوالہ سے کسی اہلحدیث عالم نے یہ بیان کیا کہ وہاں علماء دیوبند خصوصاً صدر مجلس مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی اور مولانا محفوظ الرحمٰن فاضل دیوبند نے بلکہ تمام شرکاء سیمینار نے اس بات سے اتفاق کیا کہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں اکٹھی دے اور کہے کہ میں نے تاکیداً تین بار طلاق کہی ہے تو اسے ایک ہی قرار دیا جائے گا۔ عمدۃ الاثاث کے مصنف اس بات کو تسلیم کرنے کے باوجود فرما رہے ہیں غیر مقلدین حضرات کے سوء فہم اور دجل کا مظاہرہ کیجئے۔ اب میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کی بیان کردہ حدیث کو منسوخ قرار دینے والوں کا سوء فہم اور دجل دیکھئے کہ حضرت ابن عباسؓ کیا بیان کرتے ہیں اور یہ حضرات کیا استدلال کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ

تین اکٹھی طلاقوں کے بعد رجوع جائز ہوتا تھا اب یہ منسوخ ہو گیا بلکہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مرد کو ہر طلاق کے بعد رجوع کا اختیار ہوتا تھا۔ چاہے تیسری مرتبہ ہو اللہ تعالےٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ الطلاق مرتان۔۔۔۔۔۔ جس طلاق کے بعد رجوع کی اجازت ہے وہ صرف دو مرتبہ ہے اگر تیسری مرتبہ طلاق دے گا تو رجوع جائز نہیں ہو گا فرماتے ہیں **ان الرجل کا ن اذا طلق امرأته فهوا حق بر جعتهاوان طلقها ثلاثا فنسخ ذالك فقال الطلاق مرتان.**

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کو غصہ ہے کہ مولانا سرفراز صفدر صاحب نے یہ کہہ دیا کہ غیر مقلدین حضرات کے سوء فہم اور دجل کو ملاحظہ کیجئے الخ۔ اس کا پس منظر عمدۃ الاثاث میں تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک اجلاس میں طلاق ثلاثہ کے موضوع پر مقالے پڑھے گئے ان میں دیوبندی علماء بھی تھے ان میں مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی فاضل دیوبند نے جو مقالہ پڑھا اسمیں انہوں نے کہا کہ اگر کوئی آدمی طلاق دیتا ہے اور پھر پہلی طلاق ہی کو دہراتا ہے یا اسکی خبر دیتا ہے یا بطور تاکید اس پہلی طلاق ہی کا ذکر کرتا ہو تو اس سے ایک طلاق ہی پڑتی ہے۔ مگر غیر مقلدین حضرات نے ان کو بھی اپنا ہمنوا ثابت کرنے کی لاحاصل سعی کی حالانکہ غیر مقلدین کے نظریہ اور مولانا قاسمی صاحب کے نظریہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے اس پر عمدۃ الاثاث میں کہا گیا کہ غیر مقلدین حضرات کے سوء فہم اور دجل کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ کس دیدہ دلیری سے مولانا موصوف کو کلیتاً اور مطلقاً اپنا ہمنوا قرار دے رہے ہیں (ملاحظہ ہو عمدۃ الاثاث ص ۱۷) حضرت مولانا صفدر صاحب دام مجد ہم نے تو غیر مقلدین کے اس طبقہ کے بارہ میں فرمایا جنھوں نے یہ اقدام کیا ہے مگر غصہ سے بھرے ہوئے جناب محمدی صاحب نے جواباً ایسے کلمات ادا کئے جن کو ادا کرتے وقت شاید ان کو ہوش ہی نہ رہا کہ ان کلمات کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ اور یہ کس کس پر فٹ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا ماننے والے کافر ہیں تو اس کا اطلاق کسی ایک زمانہ میں ماننے والوں پر نہیں ہو گا بلکہ جب سے یہ نظریہ شروع ہوا اسوقت سے لے کر آخر تک سب پر ہو گا۔ اسی کی روشنی میں دیکھیں کہ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں اب میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کی بیان کردہ حدیث کو

منسوخ قرار دینے والوں کا سوء فہم اور دجل دیکھئے الخ۔ جناب محمدی صاحب کے ان الفاظ کا نشانہ بننے میں مولانا صفدر صاحب کا نمبر تو بہت بعد میں آئے گا پہلے ان لوگوں کا نمبر آئیگا جن کے حوالے سے مولانا صفدر صاحب دام مجدہم نے بات کہی ہے۔ مولانا صفدر صاحب دام مجدہم نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ بعید نہیں کہ یہ روایت جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے منسوخ ہو (عمدۃ الاثاث ص ۸۵) قارئین کرام غور فرمائیں کہ جناب محمدی صاحب نے ان الفاظ میں پہلا نشانہ حضرت امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ جیسی شخصیات ہی کو بنایا ہے اور پھر جتنے حضرات نے بھی اس روایت کو منسوخ قرار دیا ہے ان سب کو نشانہ بنایا ہے۔ جن میں غیر مقلد شیخ الحدیث مولانا شرف الدین دہلوی صاحبؒ بھی نہیں بچ سکتے۔ جنھوں نے اس روایت کے بارہ میں باقی اعتراضات کے ساتھ اس کے منسوخ ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس کا با حوالہ ذکر پہلے ص میں ہو چکا ہے اور جناب محمدی صاحب کے ان الفاظ کا نشانہ بننے سے امام نسائی بھی نہیں بچ سکتے جنھوں نے **نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث** کا باب قائم کر کے اس کے تحت یہ روایت ذکر کی ہے۔ (ملاحظہ ہو نسائی ص ۱۰۳ ج ۲) اور امام ابو داؤد بھی ان کے الفاظ کا نشانہ بن رہے ہیں جنھوں نے باب بقیۃ نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث قائم کیا ہے (ابو داؤد ص ۱۹۸ ج ۱) ان کے علاوہ اور بھی بے شمار محدثین ہیں جنھوں نے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو منسوخ کہا ہے۔ وہ سب جناب محمدی صاحب کا نشانہ بن رہے ہیں۔

مقالہ۔ ان کی بات کا اصل موضوع یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بیویوں کو اس وجہ سے بہت زیادہ پریشان کرتے تھے کہ انہیں ہر طلاق کے بعد رجوع کا اختیار حاصل تھا۔ چاہے تین مرتبہ طلاق دے چکے ہوں یا چار مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ۔ اس اختیار کی وجہ سے مرد یہ کہتا ہے کہ نہ تو میں تجھے آزاد کروں گا نہ آباد کروں گا۔ وہ ایسے ہی کرتا کہ طلاق دیتا پھر رجوع کر لیتا پھر طلاق دیتا پھر رجوع کر لیتا ایسے کئی آدمی سو سو طلاق دے دیتے اور پھر بھی انہیں رجوع کا اختیار ہوتا اللہ تعالی نے اس پر پابندی لگا دی ہے اور یہ اسلامی قانون جاری کیا ہے کہ مرد کو صرف تین مرتبہ طلاق دینے کا اختیار ہے اس سے زیادہ نہیں۔ ہاں اگر پہلی مرتبہ طلاق دی تو رجوع جائز ہے رجوع کر لیا پھر دوسری طلاق دی تو بھی رجوع جائز ہے پھر

صلح ہو جائے پھر تیسری مرتبہ طلاق دے دی اب اختیار ختم ہے۔ صلح ناجائز ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کیا بیان کیا ہے اور یار لوگوں نے کہاں فٹ کیا ہے اور یہ سب کچھ کر لینے کے باوجود نہ سوء فہم نہ دجل۔ مزید وضاحت حضرت عائشہ سے اس طرح ہے۔

كان الناس والرجل........ یہ ترمذی شریف جلد اول صفحہ نمبر ۲۲۶ ہے اس کا بھی ترجمہ ہی کر دیتا ہوں کہ پہلے لوگ طلاقیں دیتے اور رجوع کرتے رہتے تھے **وان طلقها مائة مرة** چاہے کوئی سو مرتبہ بھی طلاق دے دیتا یا اس سے بھی زیادہ۔ حتی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو کہا میں تجھے نہ اس انداز میں طلاق دوں گا کہ تو الگ ہو جائے اور نہ تجھے آباد کروں گا اس نے پوچھا یہ کیسے؟ کہنے لگا طلاق دوں گا جب عدت ختم ہونے لگے گی رجوع کر لوں گا۔ پھر طلاق دوں گا پھر رجوع کر لوں گا۔ پھر عدت ختم ہو گی ختم ہونے کی قریب ہو گی پھر رجوع کر لوں گا۔ پھر طلاق دوں گا پھر رجوع کر لوں گا۔ کیا خیال ہے۔ بات سمجھ آئی کہ اصل بات کیا ہو رہی ہے۔ اللہ اکبر۔ اب وہ عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی آکر معاملہ بیان کرتی ہے وہ خاموش ہو جاتی ہیں کہ میں اسکو کیا جواب دے سکتی ہوں۔ اتنے میں نبی پاک تشریف لے آتے ہیں آپ کو بھی اس نے یہ بات بتائی آپ بھی پریشان ہو گئے اور خاموش ہو گئے کہ واقعتاً یہ بات تو ہے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ آیت آگئی **الطلاق مرتان**....... کہ جس طلاق کے بعد اسلام میں رجوع جائز ہے وہ دو مرتبہ ہے۔ اب بتائیں یہ مسئلہ نکلتا ہے یہاں سے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد پہلے رجوع جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور یہ سب کچھ کرنے کے باوجود کہتے ہیں کہ میں اب بھی نیک نام ہوں میں قائد عوام ہوں۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کا حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی بات کا اصل موضوع یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بیویوں کو اس وجہ سے پریشان کرتے تھے الخ تو عرض ہے کہ یہ صرف زمانہ جاھلیت میں ہی نہیں بلکہ ابتداء اسلام میں بھی ایسا ہوتا تھا اور اس کو منسوخ کیا گیا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو واقعہ جناب محمدی صاحب نے نقل کیا ہے یہ واقعہ ہی ان کی تردید کرتا ہے اسلئے کہ حضرت عائشہؓ تو حضور علیہ السلام کے نکاح میں نبوت کے گیارھویں سال آئیں اور ہجرت کے بعد ان کی رخصتی ہوئی تو کیا یہ جاہلیت کا زمانہ تھا؟ جناب محمدی صاحب غلط فہمی کا شکار ہیں کہ یہ صرف

جاہلیت کے دور میں ہوتا تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ابتداء اسلام میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے چنانچہ امام نسفیؒ لکھتے ہیں۔ **وقیل قالت انصاریة ان زوجی قال لاازال اطلقك ثم راجعك فنزلت الطلاق** (تفسیر مدارک ص ۱۱۵ ج ۱) کہ ایک انصاریہ عورت نے کہا کہ میرے خاوند نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تجھے ہمیشہ طلاق دیتا جاؤں گا پھر رجوع کرتا جاؤں گا تو طلاق والی آیت نازل ہوئی۔ جناب محمدی صاحب کو سوچنا چاہئے کہ انصار کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا یا دور نبویؐ تھا؟

امام بغویؒ فرماتے ہیں **روی عن عروۃ بن الزبیر قال کان الناس فی الابتداء یطلقون من غیر حصر ولا عدد** (معالم التنزیل بر حاشیہ خازن ص ۲۲۷ ج ۱) حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ابتداء (ابتدائے اسلام) میں لوگ بے شمار اور لاتعداد طلاقیں دے دیتے تھے۔ تو کیا ابتداء کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا یا ابتداء اسلام کا تھا؟ پھر روایت میں الفاظ ہیں جن کو خود جناب محمدی صاحب نے بھی نقل کیا ہے **وان طلقها ثلاثا فنسخ ذالك**۔ جناب محمدی صاحب کی تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نسخ کے مفہوم سے ہی بے خبر ہیں۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں **اعلم ان الناسخ فی اصطلاح العلماء عبارة عن طریق شرعی یدل علی ان الحکم الذی کان ثابتا بطریق شرعی لا یوجد بعد ذالك** (تفسیر کبیر ص ۲۲۷ ج ۳) یعنی علماء کی اصطلاح میں ناسخ اسکو کہتے ہیں کہ ایسا شرعی طریقہ جو اس پر دلالت کرے کہ پہلے شرعی طریق سے جو حکم ثابت تھا وہ اس کے بعد باقی نہیں رہا۔ اور امام نسفیؒ فرماتے ہیں۔ **تفسیر النسخ لغة التبدیل وشریعة بیان انتهاء الحکم الشرعی المطلق** (تفسیر مدارک ۶۷ ص ج ۱) کہ لغت میں نسخ تبدیل کو کہتے ہیں اور شریعت میں کہتے ہیں کہ شرعی مطلق حکم کی انتہاء کو بیان کرنا یعنی جو حکم شرعی تھا وہ اب باقی نہیں رہا۔ اس سے واضح ہوا کہ بے شمار طلاقوں کے بعد رجوع ابتداء اسلام میں جائز تھا مگر اسکو منسوخ کر دیا گیا۔ پھر جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ اب بتائیں کہ یہ مسئلہ نکلتا ہے یہاں سے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد پہلے رجوع جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا الخ۔ تو عرض ھے کہ جب روایت کے الفاظ جناب محمدی صاحب نے خود بھی یہ نقل کئے ہیں کہ **وان طلقها ثلاثا فنسخ بعد ذالك** یعنی اگرچہ اس نے تین طلاقیں دی ہوتیں تب

بھی وہ رجوع کر لیتا تو اس کے بعد اسکو منسوخ کر دیا گیا اتنے واضح الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی جناب محمدی صاحب کا انکار کرنا سمجھ سے باہر ہے اگر محمدی صاحب کو اعتراض یہ ہے کہ اوپر ذکر ہے کہ ہر ایک طلاق کے بعد رجوع کر لیتا تھا۔ لہذا وہی صورت یہاں بھی ہونی چاہیے تو عرض ہے کہ روایت میں **وان طلقها ثلاثا** کے الفاظ مطلق ہیں ان کے ساتھ کوئی قید نہیں کہ وہ اکٹھی ہوں یا جدا جدا ہوں۔ جبکہ حضرت ابن عباسؓ سے دیگر روایات میں یہ ثابت ہے کہ وہ اکٹھی تین طلاقوں کے بعد بھی یہی حکم بتاتے تھے۔ اسلئے جناب محمدی صاحب کا اعتراض بالکل بے بنیاد ہے۔ جناب محمدی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے ایسے کئی آدمی سو سو طلاق دے دیتے اور پھر بھی انہیں رجوع کا اختیار ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر پابندی لگا دی ہے اور یہ اسلامی قانون جاری کیا ہے کہ مرد کو صرف تین مرتبہ طلاق دینے کا اختیار ہے اس سے زیادہ نہیں ہاں اگر پہلی مرتبہ طلاق دی تو رجوع جائز ہے رجوع کر لیا پھر دوسری طلاق دی تو بھی رجوع جائز ہے پھر صلح ہو جائے پھر تیسری طلاق دے دی اب اختیار ختم ہے الخ۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جناب محمدی صاحب کے نزدیک پہلی طلاق کے بعد رجوع ہو تو دوسری طلاق جائز ہو گی اور اسی طرح دوسری طلاق کے بعد رجوع ہو تو تیسری طلاق جائز ہو گی اور اسکو اسلامی قانون قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ نظریہ تو شیعہ حضرات کا ہے جیسا کہ باحوالہ پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔ ہماری گذارش ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت جسکا ترجمہ یہ ہو کہ پہلی طلاق کے بعد رجوع ہو تو دوسری طلاق ہو گی ورنہ نہیں اور اسی طرح دوسری طلاق کے بعد رجوع ہو تو تیسری طلاق ہو گی ورنہ نہیں کوئی آیت پیش کریں یا کسی بھی مستند مفسر کی تفسیر کسی آیت کے تحت باحوالہ پیش کریں یا کوئی ایک حدیث صحیح سند کے ساتھ پیش کریں جس میں اسکی صراحت ہو۔ ورنہ کیسے اپنے اس بے بنیاد نظریہ کو اسلامی قانون قرار دیا جا رہا ہے۔

اگر جناب محمدی صاحب کے ہاں قانون اسلامی یہی ہے تو اگر ایک آدمی صبح بیوی کو طلاق دیتا ہے اور پھر ان کی صلح ہو جاتی ہے رجوع کر لیتا ہے۔ دوپہر کو پھر جھگڑا ہو جاتا ہے اور طلاق دے دیتا ہے اور گھر والوں نے پھر ان کی صلح کرا دی اور رجوع ہو گیا شام کو پھر جھگڑنے پر طلاق دے دی تو جناب محمدی صاحب کو اپنے اسلامی قانون بتائے ہوئے کے مطابق اسکو

تسلیم کرنا چاہئے۔ اور یہ صرف فرضی صورت نہیں ہے بلکہ آج کل اس قسم کے کئی مقدمات اور استفتاء پیش ہوتے رہتے ہیں۔

مقالہ نمبر چار۔ اس حدیث کی چوتھی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ اور عہد صدیقی میں دی گئیں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس عہد میں عموماً ایک وقت میں بجائے تین طلاقوں کے صرف ایک طلاق ہی دی جاتی تھی تو آپ جناب کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا یہ معنے کرنے سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اگر کوئی تین طلاقیں اکٹھی دے گا تو وہ تین ہی سمجھی جائیں گی۔ اس کا یہ معنی ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر تو یہ کہہ رہے ہیں کہ لوگ ایسے کام میں جلدبازی کرتے ہیں جس میں جلدبازی کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ وہ بتائیں اس سے یہ مراد ہے کہ لوگ ایک وقت میں ایک طلاق دیتے تھے وہ کون سی جلدبازی تھی جو لوگ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کرتے تھے۔ ایک وقت میں ایک طلاق دینے میں وہ کون سی جلدبازی ہوتی تھی جو شریعت کے خلاف تھی جسے حضرت عمرؓ ختم کرنا چاہتے تھے وہ جلدبازی یہی تھی کہ وہ تین طلاقیں اکٹھی دیتے تھے انہیں ایک قرار دیا جاتا تھا اس معاملہ میں کوئی اور جلدبازی نہیں سوائے اس کے کہ وہ تین طلاقیں اکٹھی دیتے لیکن انہیں نافذ شریعت اسلام کے قانون کے مطابق کیا جاتا تھا کہ ایک وقت میں صرف ایک طلاق ہو گی جس کے بعد رجوع ہو سکے اور میاں بیوی میں صلح کی گنجائش ہو۔

جواب مقالہ۔ بات تو بالکل صاف ہے معمولی سمجھ بوجھ والا آدمی بھی باسانی سمجھ سکتا ہے کہ پہلے لوگ ایک طلاق دے کر عدت کے دوران رجوع نہیں کرتے تھے تاکہ عورت بائنہ ہو کر جہاں چاہے نکاح کر لے اور طلاق بھی ایک سے زائد نہ دینی پڑے۔ اور جناب محمدی صاحب نے اسی مقالہ کے تمہیدی بیان میں ہدایہ کی ایک عبارت پیش کی ہے اور اس کا ترجمہ انہوں نے یوں کیا ہے کہ سب سے بہترین طریقۂ طلاق یہی ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو حالت طہر میں بغیر ملاپ کے صرف ایک طلاق دے اور اس کے احسن یعنی سب سے بہتر ہونے کے دلائل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ اسلئے سب سے اچھا ہے کہ تمام صحابہ یہی طریقہ پسند کرتے تھے کہ طلاق کے بعد طلاق نہ دی جائے ویسے یہ عدت پوری کی

اور ہر طہر میں ایک طلاق دینے کی بجائے صرف ایک طلاق پر اکتفا کرنا ہی افضل ہے تو جب تمام صحابہ ایک ہی طلاق دینے کے عمل کو پسند کرتے تھے تو مطلب واضح ہے کہ ور میں عورت کو جدا کرنے کا یہی طریق رائج تھا۔ مگر بعد میں جلدبازی کا مظاہرہ شروع گیا کہ جو مقصد ایک طلاق سے بھی حاصل ہو سکتا تھا وہ مقصد تین طلاقیں دے کر صل کرنے لگے اسلئے حضرت عمرؓ اس صورت حال پر ناراض ہوئے اور حضرات صحابہ کے مشورہ سے اعلان فرمایا کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہونگی۔ تاکہ لوگ ریق کار کو چھوڑ دیں اور جو غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد رجوع کی ہے وہ غلط فہمی دور کر لیں۔

الغرض جناب محمدی صاحب کے بیان کی روشنی میں اسکا جائزہ لیا جائے کہ وہ تین طلاقیں تھے اور فیصلہ ایک کا ہوتا تھا تو ہم پہلے ص۳۲ میں درخواست کر چکے ہیں کہ ان فیصلوں کا م ایک ایک واقعہ صحیح اسناد کے ساتھ ثابت کیا جائے اور پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ت عمرؓ اگر اپنے دور خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے اور بعد میں بھی ان کے سامنے تین طلاقوں کا مسئلہ ہی پیش ہوتا رہا تو حضرت عمرؓ کی سکی کس وجہ سے تھی؟ اور انہوں نے کس عمل کو جلد بازی قرار دیا؟ اور پہلے اور ے عمل میں کیا تبدیلی آئی تھی؟

ب محمدی صاحب جوش خطاب میں فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں کوئی اور جلدبازی نہیں ائے اس کے کہ وہ تین طلاقیں اکٹھی دیتے لیکن نافذ شریعت اسلام کے قانون کے مطابق جاتا تھا کہ ایک وقت میں صرف ایک طلاق ہو گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تو اس بازی پر ناراض ہو رہے ہیں اور انہوں نے اعلان فرمایا کہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہیں تو یہ یت اسلام کا قانون کون نافذ کرتا تھا؟ اور کیا حضرت عمرؓ اس شریعت اسلام کے قانون الفت کرنے والے تھے؟ اور کیا تمام صحابہ کرامؓ جنھوں نے اس پر خاموشی ہی نہیں بلکہ الاعلان تائید کی جو کہ ایک یقینی امر ہے تو کیا اسکی وجہ سے تمام صحابہ کرام کو ت عمرؓ کے خلاف اسلام قانون کی تائید کرنے کا مجرم قرار دے کر صحابہ دشمن شیعیت ہاتھ مضبوط نہیں کئے جا رہے؟ مگر اس سب کچھ کے باوجود پھر بھی اہلحدیث کے

اہلحدیث ہی رہے۔ استغفر الله ۔معا ذالله.

مقالہ نمبر پانچ۔ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو اگر اپنے ظاہ
ہی حمل کیا جائے اور ہر طرح سے اسے بے غبار تسلیم کیا جائے تو پھر اس کا ان صحیح روایا
سے تعارض لازم آئیگا جو جمہور کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں جہاں تک اس حدیث کو
غبار تسلیم کرنے کا تعلق ہے اس کا بے غبار ہونا آپ کے تسلیم کرنے پر موقوف نہیں
جناب امام مسلم کا قاعدہ اور قانون بیان ہو چکا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف
احادیث پیش کی ہیں جن کے صحیح ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے اسے بے غبار
کرنے میں رکاوٹ کوئی تعارض نہیں بلکہ پر تشدد تعصب تقلید ہے جو کبھی ایک بات کو
کہہ دینے کے باوجود اسے تسلیم کرنے سے مقلد کو روک دیتا ہے جیسا کہ خیار مجلس کے م
میں مولانا محمود الحسن دیوبندی نے حق کو حق اور انصاف کہہ کر بھی تقلید کی وجہ سے ٹھکر
فرماتے ہیں الحق والا انصاف ان الترجیح للشافعی فی هذه المسئلة.

تقریر ترمذی۔ کہ حق اور انصاف کی بات یہی ہے کہ اس مسئلہ میں جناب امام شافعیؒ
موقف درست اور صحیح ہے حق ہے پھر فرماتے ہیں ونحن مقلدون یجب عل
تقلیدامامنا ابی حنیفة کہ ہم تو بھائی مقلد ہیں حق کچھ بھی ہو ہمارے لیے صرف اپنے
ابو حنیفہؒ کی تقلید واجب ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ قرآنی آیات یا احادیث میں تعارض
تمام مختلف فیہ مسائل کے حل کے لیے اللہ نے قرآنی آیات اور احادیث کی طرف ر
کرنے کا حکم دیا ہے اگر ان میں بھی تعارض ہو تو اختلاف ختم کرنے کا کیا طریقہ ہے اس
اور صریح حدیث کے مقابلہ میں کوئی ایک ایسی روایت نہیں ہے جس سے اس کا تعا
ہو۔ ہاں جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کی کوئی اس معنی میں حیثیت نہیں جس معنی میں ا
بتایا جاتا ہے اور انشاءاللہ انکی تمام تفصیل چند لمحے بعد پیش خدمت کی جائے گی۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کی تقریر کے مذکورہ حصہ سے معلوم ہوتا ہے ک
حدیثی ذوق بالکل نہیں رکھتے ورنہ جن باتوں کا انھوں نے انکار کیا ہے وہ تو فن حد
ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے۔ جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ امام مسلمؒ کا قاعدہ اور قا
بیان ہو چکا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف وہ احادیث پیش کی

ن کے صحیح ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے الخ۔ کاش محمدی صاحب یہ بات کرنے سے
محدثین کرامؒ یا کم از کم اپنے طبقہ میں فن حدیث سے مناسبت رکھنے والوں سے دریافت
لیتے تو ایسی بے تکی باتیں نہ کرتے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے یہ تو فرمایا
وانما وضعت ههنا ما اجمعو علیه فمشکل فقد وضع فیه احادیث کثیرة
ختلفا فی صحتها (مقدمہ نووی ص ۵) کہ میں نے اپنی کتاب میں ایسی احادیث ذکر کی
جن پر اجماع ہے لیکن امام مسلمؒ کے اس دعوی پر اشکال ہے اسلئے کہ انھوں نے بہت سی
حدیثیں بھی ذکر کی ہیں جن کی صحت میں اختلاف کیا گیا ہے۔

طاہر بن صالح الجزائری نقل کرتے ہیں فما اخذ علیهایعنی علی النجاری
مسلم وقدح فیه معتمد امن الحفاظ فهو مستثنی مماذ کرنا لعدم الاجماع علی
بالقبول (توجیہ النظر ص ۹۵) یعنی بخاری و مسلم کی جن احادیث پر قابل اعتماد حفاظ کی
ف سے جو مواخذہ اور گرفت کی گئی ہے ایسی حدیثیں (صحیح ہونے سے) مستثنی
کیونکہ ان کی تلقی بالقبول پر امت کا اجماع نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابن
ؓ کی اس روایت کا جو مفہوم غیر مقلدین حضرات بیان کرتے ہیں اس مفہوم کے مطابق
روایت کو تلقی بالقبول حاصل نہیں ہے اسلئے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہؒ
ان کے متبعین کا اس پر عمل نہیں ہے تو اسکو تلقی بالقبول کا درجہ کیسے حاصل ہو
ہے۔

مقلدین کے محدث مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں واما ر حجانه من حیث عدم
لشذوذ والا علال فلان ما انتقد علی البخاری من الاحادیث اقل عددا مما
علی مسلم (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۶۸) بہر حال بخاری کی مسلم پر ترجیح شذوذ اور
ال نہ ہونے کے لحاظ سے تو اسلئے کہ بیشک بخاری کی جن احادیث پر جرح کی گئی ہے ان کی
مسلم کی روایات پر جرح کی تعداد سے کم ہے۔ اور پہلے ص پر غیر مقلد شیخ الحدیث کا
گزر چکا ہے کہ وہ فرماتے ہیں وجہ ہفتم یہ ہے کہ محدثین نے مسلم کی حدیث مذکورہ کو
بتایا ہے۔

ث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مسلم شریف کی تمام روایات جرح سے خالی نہیں ہیں بلکہ

ایسی روایات موجود ہیں جن پر قابل اعتماد محدثین نے جرح کی ہے۔ اسلئے جناب م
صاحب کا یہ کہنا کہ امام مسلمؒ کا قاعدہ اور قانون بیان ہو چکا ہے اس کہنے کی کوئی وقعت
ہے۔

جناب محمدی صاحب نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ کی جا
منسوب تقریر ترمذی کی جو عبارت تمسخر کے انداز میں پیش کی ہے جس کو دیگر غیر مقلد
حضرات بھی پیش کرتے رہتے ہیں اور عبارت کے مفہوم کو جس بھونڈے انداز میں کا
پیش کرتے ہیں اسکے لئے ضروری ہے کہ اس عبارت کی حقیقت اور اس کے اصل خد
عوام الناس کے سامنے پیش کردیے جائیں تاکہ غیر مقلدین حضرات کا بھونڈا انداز کھل
سامنے آجائے۔ اس عبارت کو سمجھنے کیلئے تین باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ تقریر ترمذی حضرت شیخ الہندؒ کی اپنی تحریر نہیں ہے بلکہ ان کی تقا
کا مجموعہ ہے جس کو حضرت مولانا نظام الدین صاحب کیرانویؒ نے ترتیب دیا ہے او
تقاریر اس دور میں ترتیب دی گئیں جبکہ ٹیپ ریکارڈ وغیرہ نہ تھے اور اس دور کی جمع
تقاریر میں عموماً ترتیب دینے والوں کی اپنی جانب سے کچھ عبارات کی کمی بیشی پائی جاتی
ہو سکتا ہے کہ ونحن مقلدون کا جملہ حضرت شیخ الہندؒ کا نہ ہو بلکہ مرتب نے بڑھا دیا ہوا
یقینی طور پر اسکی نسبت حضرت شیخ الہندؒ کی طرف نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ جملہ خواہ حضرت شیخ الہندؒ کا ہو یا مولانا نظام الدین صاحب کیرانو
کا اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو غیر مقلدین حضرات بیان کرتے ہیں۔ اسلئے ہم اس عبا
کے سیاق و سباق کے ساتھ اس کا ترجمہ کرتے ہیں تاکہ اصل عبارت کا مفہوم واضح
جائے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو آدمی ایک مجلس میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی چ
خرید فروخت کرتے ہیں اور بائع نے وہ چیز بیچ دی اور مشتری نے خرید لی اور ان دونوں میں
کوئی بھی ابھی تک مجلس سے نہ اٹھا ہو تو کیا ان کو مجلس ختم ہونے تک سودے کو برقرار ر
اسکو فسخ کرنے کا اختیار ہو گا یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب ایجاب و قبول ہو گ
بیع پختہ ہو گئی اس لیے اب باہمی رضا کے بغیر اس سودے کو فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ اور ا

شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجلس ختم ہونے تک ان میں سے ہر ایک کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے
واہ دوسرا فریق راضی ہو یا نہ ہو۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تقریر ترمذی میں کہا گیا ہے
کہ اس خیار کے دو پہلو ہیں ایک پہلو اس بیع کے انعقاد کا ہے اور دوسرا پہلو اس کے فسخ کا
ہے۔ اگر بائع اور مشتری دونوں اس سودے کو پختہ رکھنے پر متفق ہوں تو بیشک وہ مجلس سے نہ
اٹھے ہوں وہ سودا طے ہو جائے گا اور اگر دونوں متفقہ طور پر اس سودے کو فسخ کرنا چاہتے ہوں
تو سودا فسخ ہو جائے گا یہ صورتیں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اتفاقی ہیں۔ اگر بائع یا
مشتری میں سے کوئی ایک اس سودے کو باقی رکھنے پر مصر ہو اور دوسرا اس کو فسخ کرنا چاہتا ہو تو
اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے
ہیں کہ ایجاب و قبول کے بعد مبیعہ بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں اور
ثمن مشتری کی ملکیت سے نکل کر بائع کی ملکیت میں چلا گیا۔ اور دوسرے کی ملکیت سے کسی
چیز کو نکالنا اس کی مرضی سے ہو سکتا ہے ورنہ نہیں اس لیے امام ابو حنیفہؒ اس صورت میں سودا
طے ہو جانے کے پہلو کو اختیار کرتے ہیں اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ ابھی تک یہ مجلس
برخاست نہیں ہوئی اس لیے وہ سودا فسخ ہو جانے کے پہلو کو اختیار کرتے ہیں اور حدیث میں
کوئی ایسی صراحت نہیں جس سے ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو ترجیح ہو بلکہ
دونوں جانب ترجیح قیاس کے ذریعہ سے ہے تو اس صورت میں ہم حدیث کے خلاف کرنے
کے مرتکب نہیں بلکہ ہم امام شافعیؒ کے قیاس کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا قیاس ہمارے لئے
حجت نہیں ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ خیار والا مسئلہ مشکل مسائل میں سے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا
نظریہ اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف ہے۔ اسلئے متقدمین اور متاخرین میں سے بہت سے
حضرات نے ان کے اس نظریہ کی تردید میں رسائل لکھے ہیں۔ اور امام شاہ ولی اللہ محدث
دہلویؒ نے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے نظریہ کو احادیث اور نصوص کے لحاظ سے راجح
قرار دیا ہے اور اسی طرح ہمارے شیخ مد ظلہ نے فرمایا کہ راجح امام شافعیؒ کا نظریہ ہے ۔ یہ تقریر
ترمذی کی عبارت کا ترجمہ ہے آگے تقریر ترمذی میں ہے وقال الحق والانصاف ان
الترجیح للشافعی فی هذه المسئلة ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی
حنیفة واللہ اعلم (التقریر للترمذی ص ۳۵۔۳۶) اور فرمایا کہ حق اور انصاف کی بات یہ

ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کو ترجیح حاصل ہے۔ اور ہم چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اسلئے ہمیں اپنے امام کی تقلید واجب ہے۔ اس عبارت میں یہ قطعاً نہیں ہے کہ حق اور انصاف امام شافعیؒ کے ساتھ ہے مگر ہم اس کے باوجود اپنے امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کریں گے۔ جیسا کہ عام طور پر غیر مقلدین حضرات عوام الناس کے سامنے یہی بیان کرتے ہیں اور یہی جناب محمدی صاحب نے کہا ہے۔ حالانکہ اسمیں تو یہ ہے کہ حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ امام شافعیؒ کو اس مسئلہ میں ترجیح حاصل ہے اور عبارت میں پہلے واضح ہے کہ اس مسئلہ میں اپنے نظریہ کو امام شافعیؒ بھی قیاس سے ثابت کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ بھی جس پہلو کو اختیار کر رہے ہیں اسکو قیاس ہی سے ثابت کرتے ہیں۔ جب دونوں جانب قیاس ہے اور ہم امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں تو ہمارے لئے امام شافعیؒ کا قیاس حجت نہیں ہے اسلئے ہم اپنے امام ہی کی تقلید کریں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ونحن مقلدون سے دراصل اصول فقہ کے ایک قاعدہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مجتھد کسی مسئلہ میں اجتھاد کرتا ہے اور اس مسئلہ میں اگر احادیث متعارض ہوں تو دیکھا جائیگا کہ اقوال صحابہ کس جانب ہیں تو اسکو ترجیح دی جائیگی اور اگر اقوال صحابہ بھی مختلف ہوں تو قیاس کو دیکھا جاتا ہے کہ قیاس کس جانب کا ساتھ دیتا ہے تو اسکو ترجیح دی جائیگی اور اگر ایسا مقام آجائے کہ مجتھد کے سامنے قیاس بھی متعارض ہوں تو چونکہ اس سے نیچے کوئی دلیل نہیں ہے تو مجتھد ان قیاسوں میں سے جس پر اس کا دل مطمئن ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے (ملاحظہ ہو نور الانوار ص ۱۹۵ غایۃ التحقیق شرح حسامی ص ۲۶۲ النامی علی الحسامی ص ۱۵۸) یہ قاعدہ تو خود مجتھد کیلئے ہے اور کسی مجتھد کے مقلد کیلئے قاعدہ یہ ہے جبکہ وہ مقلد عالم محقق ہو اگر وہ دیکھتا ہے کہ میرے امام نے کسی مسئلہ میں دلیل کا مدار قیاس پر رکھا ہے اور اس کے مقابل صحیح صریح حدیث ہو تو اسکو اپنے امام کے اس قیاسی مسئلہ پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ اگر اپنے امام کے قیاسی مسئلہ کے مقابل صحیح صریح حدیث نہ ہو بلکہ قیاس ہی ہو جیسا کہ اس مذکورہ مسئلہ میں ہمارے امام صاحب کی دلیل کا مدار بھی قیاس ہے اور اس کے مقابل امام شافعیؒ کی دلیل کا مدار بھی قیاس ہے تو ایسی صورت میں مقلد کو اپنے امام کی تقلید ہی واجب ہے۔ جیسا کہ اس قاعدہ کی وضاحت حضرت مولانا

اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی کتاب الاقتصاد ص ۱۴ میں کی ہے اور علامہ شامیؒ اور دیگر حضرات نے بھی یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے۔

اسلئے ونحن مقلدون سے اس قاعدہ کی جانب اشارہ ہے کہ بیشک بعض قرائن کیوجہ سے امام شافعیؒ کے قیاس کو ترجیح حاصل ہے مگر چونکہ وہ ہمارے لئے حجت نہیں اسلئے ہم اپنے امام ہی کی تقلید کریں گے۔ اس عبارت کا یہ ترجمہ کرنا کہ حق اور انصاف امام شافعیؒ کے ساتھ ہے مگر اس کے باوجود ہم اپنے امام کی تقلید کریں گے ایسا ترجمہ کرنا انصاف ودیانت کا خون کرنا ہے جو کہ غیر مقلدین حضرات کی گھٹی میں شامل ہے۔ اسلئے کہ راجح اور مرجوح دونوں جائز اور درست ہوتے ہیں مگر راجح کا درجہ بہتر ہوتا ہے جناب محدث مبارکپوری صاحبؒ کئی مقامات میں فرماتے ہیں کہ یہ قول راجح ہے

(ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ص ۱۴ ج ۱، ص ۱۹، ص ۷۳، ص ۴۳ ص ۹۴ اور ص ۱۸۴ وغیرہ) جیسا کہ تحفۃ الاحوذی کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسی قول کو صحیح اور دوسرے کو غیر صحیح کہتے ہیں۔ حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اردو کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رکھتا ہے تو وہ غیر مقلدین حضرات کے اردو فتاوی میں اس قسم کی عبارات دیکھ سکتا ہے مثلاً ایک عبارت ہے حدیث نمبر ا سے مسح کے پانی کے لئے ایک تیسری صورت معلوم ہوئی یعنی سر اور کان کے مسح کے لئے کلائیوں سے بچے ہوئے پانی کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن محدثین نے اس طریقہ کو مرجوح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ سر کے مسح کے لئے ماء جدید لینا افضل ہے (فتاوی علمائے اہلحدیث ص ۱۰۴ ج ۱) اس قسم کی بے شمار عبارات مل سکتی ہیں۔ جب راجح اور مرجوح دونوں جائز اور درست ہوتے ہیں تو تقریر ترمذی میں صرف یہ ہے کہ ترجیح امام شافعیؒ کو حاصل ہے اسلئے یہ کہنا کہ حق اور انصاف امام شافعیؒ کے ساتھ ہے یہ قطعاً درست نہیں ہے۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ قرآنی آیات اور احادیث میں تعارض ہو تمام مختلف فیہ مسائل کے حل کے لیے اللہ تعالٰے نے قرآنی آیات اور احادیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر ان میں بھی تعارض ہو تو اختلاف ختم کرنے کا کیا طریقہ ہے الخ۔ احادیث کے باہمی تعارض کا انکار تو نری جہالت ہے اور بات بھی اسی بارہ میں ہو رہی ہے کہ اگر حضرت ابن عباسؓ کی اس

روایت کو بے غبار تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا ان صحیح روایات سے تعارض لازم آئے گا۔ جو جمہور کی طرف سے پیش کی جاتی ہے (ملاحظہ ہو عمدۃ الاثاث ص ۸۸) فن حدیث کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ احادیث کے باہمی تعارض اور رفع تعارض پر حضرات محدثین کرامؒ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جناب محدث مبارکپوریؒ صاحب نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی کی فصل نمبر ۳۵ میں اور علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی کی النوع السادس والثلاثون میں بعض ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

جناب محمدی صاحب نے فرمایا ہے کہ اس صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں کوئی ایک ایسی روایت نہیں جس سے اس کا تعارض ہو۔ ہاں جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کی کوئی اس معنی میں حیثیت نہیں جس معنے میں انہیں بتایا جاتا ہے اور انشاءاللہ ان کی تمام تر تفصیل چند لمحہ بعد پیش کی جائیگی الخ تو عرض ہے کہ عمدۃ الاثاث جیسی مختصر کتاب میں قرآن کریم اور احادیث اور آثار صحابہؓ سے تقریباً بیس دلائل دیئے گئے ہیں جن میں صحیح مرفوع احادیث بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ جب جناب محمدی صاحب ان پر تفصیل پیش کریں گے تو انشاءاللہ العزیز اس تفصیل کا جائزہ بھی ہماری جانب سے پیش کر دیا جائیگا۔

مقالہ۔ چھٹا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ روایت ابن عباس مطلق نہیں بلکہ غیر مدخول بھا کے بارہ میں ہے یعنی یہ روایت ایسی عورت کے حق میں ہے کہ جس کے ساتھ ابھی تک خاوند نے ہمبستری نہیں کی۔ اس تاویل کا احناف کو کیا فائدہ ہے جی۔ احناف کو فائدہ تو اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کا موقف واقعتاً یہ ہو کہ ملاپ سے قبل دی ہوئی تین طلاقوں کو ہر حال میں ایک طلاق قرار دیا جائیگا جبکہ احناف کا موقف ہدایہ جلد دو ص ۳۷۱ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل الدخول بها وقعن عليها۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو قبل از ملاپ تین طلاقیں دے تو تینوں واقع ہونگی اب بتایئے کیا فائدہ حضرت صاحب۔ جبکہ اس قبل از دخول والی روایت کی حقیقت جناب امام نوویؒ نے شرح مسلم جلد ایک صفحہ نمبر ۴۷۸ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی ہے واما هذه الرواية التى لا بى داود فضعيفة رواها ابو ايوب السختيانى عن قوم

مجهولين عن طاؤس عن ابن عباس۔ کہ ابوداؤد والی روایت جو قبل از دخول پر دلالت کرتی ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ طاؤسؒ کا نام لیکر یہ روایت بیان کرنے والے افراد مجہول و نامعلوم ہیں جسے بیان کرنے والا ہی نامعلوم ہو وہ دلیل کیسے بن سکتی ہے جبکہ طاؤسؒ کا اپنا فتویٰ یہ ہے کہ تین طلاقیں اگر کوئی دے گا تو انہیں ایک قرار دیا جائیگا۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت پیش کر کے احناف پر جو اعتراض کیا ہے تو اس کا جواب عمدۃ الاثاث ص ۹۰۔۹۱ کی بحث کے ضمن میں ہو چکا ہے کہ امام بیہقیؒ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک غیر مدخول بھا کے بارہ میں تین طلاقیں ایک بائن اس صورت میں ہو گی جبکہ دفعتاً نہ ہو بلکہ متفرق طور پر ہو اور وہ اپنی سند کے ساتھ امام شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو ہمبستری سے قبل اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالیں تو جو اختیار اس کے ہاتھ میں تھا اس نے کلیتہً اس کو ضائع کر دیا اور اگر یکے بعد دیگرے تین طلاقیں دیں جسکی تفسیر امام سفیان ثوریؒ نے یہ کی ہے کہ اس عورت کو کہا انت طالق انت طالق۔ انت طالق تو وہ عورت پہلی طلاق سے بائن ہو جائیگی اور دوسری اور تیسری طلاق بے کار ہو جائیگی (سنن الکبریٰ ص ۳۵۵ ج ۷) اور عمدۃ الاثاث ص ۹۵ میں ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دفعتاً دی گئی تین طلاقیں بھی غیر مدخول بھا کے حق میں ایک ہوتی ہیں لیکن حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ فرماتے ہیں مگر ابوداؤد اسکی صحت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو عکرمہ کا قول قرار دیتے ہیں اس کے علاوہ یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس روایت میں ثلاثا کو انت طالق کے ساتھ نہ لگایا جائے بلکہ قال کے ساتھ لگایا جائے یعنی انت طالق تین دفعہ کہے تو غیر موطوہ کے بارہ میں یہ تین ایک طلاق ہو گی اور بفم واحد کے معنی اس صورت میں یہ ہوں گے کہ انت طالق تین دفعہ لگاتار کہے درمیان میں فاصلہ نہ کرے اور فائدہ اس قید کا انت طالق ثلاثا سے احتراز ہے کیونکہ انت طالق ثلاثا میں غیر موطوءہ پر بھی تین پڑتی ہیں انتہی (ضمیمہ نمبر ۶)۔ جناب محمدی صاحب سے گذارش ہے کہ وہ غور فرمائیں یہ کسی حنفی محدث کا نہیں بلکہ غیر مقلد محدث روپڑی صاحبؒ کا حدیث کے معنی کو متعین کرنے کے لئے تفصیلی بیان ہے۔ کہ اکٹھی تین دی گئی طلاقیں غیر مدخولہ کو بھی تین ہی پڑتی ہیں اور جدا جدا

کلمات سے دی گئیں ایک ہوتی ہے۔ اور یہی احناف کا نظریہ ہے۔ حضرات محدثین کرامؒ کا طریق یہ ہے کہ باب کی تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر ان تمام کے معانی اور مفہوم میں تطبیق دے کر حدیث کا معنی متعین کرتے ہیں۔ اور اسی قسم کی بحث محدث روپڑی صاحب نے کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ان کے شاگرد جو روایات اس بارہ میں کرتے ہیں ان کے مجموعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک جب غیر مدخولہ کو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین ہونگی اور جب متفرق دی جائیں تو چونکہ وہ پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائنہ ہو جاتی ہے اسلئے بعد والی دوسری اور تیسری طلاق بے کار ہو جاتی ہے۔ اور یہی نظریہ احناف کا ہے جس کو صاحب ہدایہؒ نے بیان کیا ہے۔

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ احناف کو تب فائدہ دیتا جب کہ ان کا موقف واقعتا یہ ہو کہ ملاپ سے قبل دی گئی تین طلاقوں کو ہر حال میں ایک طلاق قرار دیا جائیگا الخ۔ تو ان کا یہ فرمانا درست نہیں ہے اسلئے کہ حدیث کے مفہوم سے ہی جب یہ متعین ہو گیا کہ یہ اسی صورت پر محمول ہے جبکہ متفرق ہوں۔ تو جب احناف بھی اسکو اسی صورت میں متعین کرتے ہیں تو ان پر اعتراض کیسا؟

جناب محمدی صاحب نے امام نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اسمیں طاؤسؒ سے غیر واحد روایت کرتے ہیں اور وہ مجہول ہیں۔ تو عرض ہے کہ یہی اعتراض غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ نے امام خطابی سے نقل کیا تو اس کا جواب غیر مقلد عالم مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ نے دیا کہ فتح الباری میں ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابو داؤد نے اس روایت کی تخریج کی ہے لیکن ابراہیم بن میسرہ وغیرہ کا نام نہیں لیا بلکہ اسکی جگہ عن غیر واحد کہہ دیا الخ (ضمیمہ نمبر ۳) اور محدث روپڑیؒ کی تائید کرتے ہوئے عمدۃ الاثاث میں کہا گیا کہ مولانا کا یہ فرمانا ٹھیک ہے اسلئے کہ مسلم شریف ص ۴۷۸ ج ۱ میں یہی سند یوں ہے **عن حماد بن زید عن ایوب السختیانی عن ابراهیم بن میسرة عن طاؤس** (عمدۃ الاثاث ص ۹۴) تو جب غیر واحد میں سے ابراہیم بن میسرہ کا بیان ہو گیا اور وہ متعین ہو گیا تو جہالت نہ رہی اسلئے کہ حضرات محدثین کا قاعدہ ہے کہ جب راوی کا تعین کسی دوسری سند سے ہو جائے تو اس روایت کا اعتبار کیا جاتا ہے چنانچہ مسلم شریف کی ان

روایات پر اعتراض کیا گیا جن میں کسی میں حدثنا صاحب لنا ہے کسی میں **حدثنی غیر واحد من اصحابنا** ہے کسی میں **حدثنی بعض اصحابنا** ہے۔ کہ یہ روایات منقطع ہیں اور صحیح نہیں ہیں۔ تو اس کا جواب دیتے ہوئے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایات صحیح ہونے سے نہیں نکلتیں **بل هي موصولة من جهات صحيحة** (مقدمہ نوویؒ ص ۶) کیونکہ صحیح اسناد کے ساتھ یہ موصول ثابت ہیں۔ اور اسی کے مطابق علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی ص ۳۲۲ ج ۱ تا ص ۳۲۴ میں بحث کی ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق دیکھیں کہ ابو داؤد شریف کی سند میں غیر واحد ہے جبکہ مسلم شریف کی سند میں ابراہیم بن میسرہ کا نام ہے اور محدث روپڑی صاحبؒ نے علامہ ابن حجر کا جو حوالہ دیا ہے اسکی اصل عبارت یوں ہے **وهذه الطريق الاخيرة اخرجها ابو داؤد لكن لم يسم ابراهيم بن ميسرة وقال بدله غير واحد** (فتح الباری ص ۲۷۸ ج ۱۱) آخری روایت ابو داؤدؒ نے بیان کی ہے لیکن اس نے ابراہیم بن میسرۃ کا نام نہیں لیا بلکہ اسکی جگہ غیر واحد کہہ دیا ہے۔ جب راوی متعین ہو گیا تو قاعدہ کے مطابق اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

جناب محمدی صاحب جوش خطابت میں ایک اعتراض کر رہے ہیں مگر انھوں نے ذرا بھی نہ سوچا کہ جب یہی اعتراض پلٹ کر ان پر ہوگا تو ان کے دامن میں کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ محمدی صاحب فرماتے ہیں وہ دلیل کیسے بن سکتی ہے جبکہ طاؤسؒ کا اپنا فتوی یہ ہے کہ تین طلاقیں اگر کوئی دے گا تو انہیں ایک قرار دیا جائے گا الخ۔ تو گذارش ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی جس روایت کا خود ساختہ مفہوم لے کر آپ حضرات نے اپنے نظریہ کا مدار اس پر رکھا ہے وہ روایت دلیل کیسے بن سکتی ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ کا فتوی اس کے خلاف ہے۔ اگر طاؤسؒ کا فتوی اسکی مروی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت دلیل نہیں بن سکتی تو جب حضرت ابن عباسؓ کا فتوی اس مفہوم کے خلاف ہے جو غیر مقلدین بیان کرتے ہیں تو وہ روایت کیسے ان کی دلیل بن سکتی ہے اسلئے جناب محمدی صاحب اگر حضرت ابن عباسؓ والی روایت سے دلیل پکڑنا چھوڑ دیں تو ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہم طاؤس کی اس روایت کو کبھی دلیل میں پیش نہیں کریں گے۔ اسلئے کہ قاعدہ انھوں نے بیان کیا ہے اور ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں اسلئے عمل بھی اس قاعدہ پر کر کے دکھائیں تاکہ متفقہ قاعدہ پر عمل ہو جائے۔

تعالوا الی کلمة سوآءٍ بیننا وبینکم۔

مقالہ۔ دلیل نمبر چھ حدیث نمبر ۲ یہ بھی میں مختصر سناتا ہوں لکھا ہوا ہے ویسے سارا متن بھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے دیں اور پھر سخت پریشان ہو گئے۔ ایسا ہی ہوتا ہے اکٹھی تین طلاقیں بڑی پریشانی ہی ہوتی ہیں تو نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ تو نے طلاق کیسے دی تھی۔ اس نے کہا جی تین طلاقیں اکٹھی دی تھیں آپ نے پوچھا ایک ہی جگہ انھوں نے کہا جی ہاں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ تو صرف ایک طلاق دی ہوئی ہے چاہتے ہیں تو رجوع کر لیں۔ تو انھوں نے رجوع کر لیا اس حدیث کا تذکرہ کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۹ صفحہ نمبر ۳۶۲ میں لکھتے ہیں **اخرجه احمد وابو یعلی وصححه من طریق محمد بن اسحاق وهذا الحدیث نص فی المسئلة لا یقبل التاویل الذی فی غیره من الروایات**۔ کہ اس حدیث کو جناب امام احمد بن حنبلؒ اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے محمد بن اسحاق والی سلسلہ سند سے۔ اور یہ حدیث اس مسئلہ کی وضاحت میں واضح نص ہے۔ دوسری روایات میں جو تاویل کی معمولی گنجائش ہے اس میں وہ بھی موجود نہیں ہے۔ بعض لوگ اس حدیث کے سلسلہ سند پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں محمد بن اسحاق اور اسکے استاد داؤد بن الحصین مختلف فیہ ہیں۔ حافظ صاحب جواب دیتے ہیں کہ یہ اعتراض کرنے والے خود ہی کئی احکام میں اس سند کی بنیاد پر دلائل پیش کرتے ہیں جو کہ اس سند کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ حنفی بھی اس پر جب ضرورت ہو خواہش ہو جیسا کہ سنن ابی داؤد جلد ایک صفحہ نمبر ۳۰۴ اس حدیث سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں **رد علی ابی العاص بن الربیع زینب ابنته بنکاح الاول**. اور ساتھ ہی فرماتے ہیں **لیس کل مختلف فیه مردودا**. کہ ہر مختلف فیہ راوی مردود نہیں ہوتا۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ نمبر ۳۶۲۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں بڑی پریشانی ہی ہوتی ہیں الخ۔ تو عرض ہے کہ اگر تین کو ایک ہی مانا جائے تو پریشانی کیونکر ہو گی۔ پریشانی تو اسی صورت میں ہو گی جبکہ تین کو تین ہی مانا جائے۔ جناب محمدی صاحب نے حضرت رکانہؓ والی

جو روایت پیش کی ہے اس روایت کے الفاظ راوی مختلف نقل کرتے ہیں، کسی روایت میں ہے کہ طلاق بتہ دی تھی جیسا کہ ترمذی ص ۲۲۲ ج ۱ اور ابوداؤد ص ۳۰۰ ج ۱ میں ہے۔ اور کسی روایت میں ہے کہ تین طلاقیں دیں جیسا کہ ابوداؤد ص ۲۹۹ ج ۱ وغیرہ میں ہے امام داؤدؒ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں البتۃ کے الفاظ ہیں وہ روایات زیادہ صحیح ہیں ان روایات کی بہ نسبت جن میں طلّق امرأته ثلاثا کے الفاظ ہیں (ابوداؤد ص ۳۰۱ ج ۱) اور غیر مقلد محدث مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں **وذکر الترمذی ایضا عن البخاری انه مضطرب فیه تارة قیل فیه ثلاثا وتارة قیل فیه واحدة واصحه انه طلقها البتة وان الثلث ذکرت فیه علی المعنی** (تحفۃ الاحوذی ص ۲۱۰ ج ۲) اور امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے اس میں کبھی ثلاثاً کے الفاظ اور کبھی واحدۃً کے الفاظ کہے جاتے ہیں۔ اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انھوں نے اس عورت کو طلاق بتہ دی تھی اور الثلث کا ذکر (راویوں میں سے کسی کی طرف سے) بالمعنی کر دیا گیا ہے یعنی کسی راوی نے البتہ کا معنی تین خیال کر کے اس کے ساتھ ہی اسکی تعبیر کر دی ہے۔ اور علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں **واعله البخاری بالاضطراب وقال ابن عبدالبر فی التمهید ضعفوه**. (تلخیص الحبیر ص ۲۱۳ ج ۳) کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کو اضطراب کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔ اور ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب التمہید میں کہا ہے کہ حضرات محدثین نے اسکو ضعیف قرار دیا ہے۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ اس روایت کو جناب امام احمد بن حنبلؒ اور ابو یعلیؒ نے محمد بن اسحاق والی سلسلہ سند سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے الخ۔ تو عرض ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے تو اسکی تصحیح ثابت نہیں ہو سکتی اسلئے کہ وہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق سے مغازی کی احادیث تو لکھی جا سکتی ہیں مگر جب حلال اور حرام کا معاملہ ہو تو اس سے اعلیٰ درجہ کے راویوں کو پسند کریں گے (ملاحظہ ہو کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۹۷) جب امام احمد بن حنبلؒ نے علی الاطلاق فرما دیا کہ محمد بن اسحاق حلال و حرام کے معاملہ میں حجت نہیں تو تین طلاقوں کے بعد رجوع کی حرمت پر حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہؒ اور محدثین عظامؒ کا اتفاق ہے تو اس کے خلاف اسکی روایت کو کیسے حجت قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں **وفی الباب عن ابن عباس رواه**

احمد والحاکم وهو معلول ایضا۔ (تلخیص الحبیر ص ۲۱۳ ج ۳) کہ اس باب میں حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت امام احمدؒ اور امام حاکمؒ نے نقل کی ہے وہ بھی معلول ہے۔ اور غیر مقلد عالم محدث مبارکپوریؒ لکھتے ہیں **عن محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی المدنی نزیل العراق امام المغازی صدوق یدلس ورمی بالتشیع والقدر** (تحفۃ الاحوذی ص ۲۰ ج ۱) کہ محمد بن اسحاق مغازی کا امام صدوق ہے تدلیس کرتا ہے اور شیعہ ہونے اور قدری نظریہ کا ہونے کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے اور شیعہ حضرات کا طلاق ثلاثہ کے بارہ میں نظریہ یہ ہے کہ وہ واقع ہی نہیں ہوتیں اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کے بارہ میں ایک روایت ہے کہ اس کا بھی یہی قول ہے (نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج ۱) اور پہلے ص۴۳میں غیر مقلد عالم مولانا شرف الدین دہلویؒ کے حوالہ سے بات نقل کی جا چکی ہے کہ جب امام ابن تیمیہؒ نے تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا فتویٰ دیا تو انکی سخت مخالفت کی گئی اسلئے کہ اس دور میں یہ نظریہ روافض کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس دور کے روافض نے پہلے نظریہ کو چھوڑ کر یہ نظریہ اپنا لیا ہو کہ تین طلاقیں اکٹھی دی گئی ایک ہوتی ہے حالانکہ پہلے ان کا نظریہ یہ تھا کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں نافذ ہی نہیں ہوتیں۔ عوام الناس کو غور کرنا چاہیے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی اور مشورہ سے حضرت عمرؓ جس بات کا فیصلہ کریں۔ اور حضرات ائمہ اربعہؒ اور امام بخاریؒ سمیت محدثین کرامؒ بھی اس مسئلہ میں ان کے ہمنوا ہوں تو اس فیصلہ کے خلاف **رمی بالتشیع والقدر** راوی کی روایت کیا حیثیت رکھتی ہے؟ جناب محمدی صاحب نے علامہ ابن حجرؒ کی وہ عبارت تو بڑی خوشی کے ساتھ پیش کر دی جو وہ سوال و جواب کی صورت میں کر رہے تھے مگر اس بارہ میں محدثانہ بحث کر کے اس کا جو خلاصہ انہوں نے پیش کیا اس سے بالکل آنکھیں بند کر لیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں!

وقد دل اجماعهم علی وجود ناسخ وان کان خفی عن بعضهم قبل ذالك حتی ظهر لجمیعهم فی عهد عمر فالمخالف بعد هذا الاجماع منا بذله والجمهور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق واللّٰہ اعلم (فتح الباری ص ۲۸۰ ج ۱۱) حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے پاس ایسی دلیل موجود

تھی جو پہلے حکم کیلئے ناسخ ہو اگرچہ اس سے پہلے ان میں سے بعض سے وہ دلیل مخفی رہی ہو تو اس اجماع کے بعد اس کا مخالف اس اجماع کا مخالف ہو گا۔ اور اتفاق ہو جانے کے بعد جس نے اختلاف کیا تو جمہور اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ جناب محمدی صاحب اور ان کے طبقہ کو علامہ ابن حجرؒ کی یہ بات بار بار پڑھنی چاہئے اور اس پر غور کرنا چاہئے۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ حنفی بھی جب ضرورت پڑے تو اس سند کو معتبر مانتے ہیں اور پھر ابو داؤد شریف کی ایک روایت ذکر کی جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی زینب کو نئے نکاح کے بغیر ہی ان کے خاوند ابو العاص بن الربیع کی جانب بھیج دیا تھا اور فرماتے ہیں کہ اسکی سند میں محمد بن اسحاق ہے مگر احناف اس سے دلیل پکڑتے ہیں الخ۔ تو عرض ہے کہ احناف اسکی سند پر مدار رکھ کر حلال و حرام کا فیصلہ نہیں کرتے۔ تاریخی واقعات میں اسکی سند کو لے لیتے ہیں اسلئے کہ حضرات محدثین کرامؒ نے فرمایا ہے کہ یہ مغازی کا امام ہے حلال و حرام کے مسئلہ میں یا تو اس کی سند کے ساتھ اور اسناد بھی ہوتی ہیں یا ایسے قرائن موجود ہوتے ہیں جنکی وجہ سے اس روایت کو قبول کیا جاتا ہے اور ابو داؤد شریف کی جس روایت کا حوالہ انہوں نے دیا ہے یہ روایت محمد بن اسحاق کی سند کے علاوہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ امام ابن سعدؒ نے سندیوں بیان کی ہے **اخبرنا محمد بن عمیر حدثنی موسی بن محمد بن ابراهیم بن الحارث التیمی عن ابیه** (طبقات ابن سعد ص ۳۳ ج ۸) اور مصنف عبد الرزاق میں سندیوں ہے **عبدالرزاق عن الثوری عن جابر عن الشعبی** اس روایت میں **فلم یجدد نکاحا** کے الفاظ ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۱۶۷ ج ۷) جب محمد بن اسحاق کی سند کے علاوہ بھی اس روایت کی اسناد موجود ہیں تو جناب محمدی صاحب کا طعن دینا قطعاً درست نہیں ہے کہ حنفی بوقت ضرورت اسکی سند کو معتبر مانتے ہیں جناب محمدی صاحب نے علامہ ابن حجرؒ کی عبارت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ انہوں نے فرمایا **لیس کل مختلف فیه مردودا** کہ ہر مختلف فیہ راوی مردود نہیں ہوتا تو یہ بالکل درست ہے مگر یہ ضرور دیکھنا ہو گا کہ اس مختلف فیہ راوی کی روایت اس کے مقام اور مرتبہ کے مطابق ہو یہ نہیں کہ اسکی روایت کو ایسے پلے باندھ لیا جائے کہ بیشک اسکی وجہ سے ساری امت کی مخالفت کرنی پڑے۔ بلکہ اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھ کر اسکی روایت کا درجہ متعین

کریں گے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

مقالہ۔ قاعدة الجرح و التعديل میں یہ اصول حدیث کی کتاب ہے یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کی امامت وعدالت ثابت ہو اور بہت سے لوگوں نے اسکی توثیق کی ہو اور جرح کرنے والے کم ہوں تو اس جرح کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ویسے بھی محمد بن اسحاق پر اس صورت میں تنقید کی گنجائش ہو سکتی ہے جب وہ صیغہ عن سے روایت کریں یعنی روایت بیان کرتے ہوئے عن کا لفظ بولیں جبکہ یہاں تو وہ حدثنی کہہ کر حدیث بیان کر رہے ہیں اور جہاں تک داؤد بن الحصین کا تعلق ہے وہ صحیح بخاری اور مسلم کے رواۃ میں سے ہے۔ جہاں تک ان دونوں بزرگوں کی امامت وعدالت کا تعلق ہے تو اسکی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ صحیح بخاری میں داؤد بن الحصین سے روایت باقاعدہ امام بخاری نے ذکر فرمائی ہے۔ جناب امام محمد بن اسحاقؒ، جناب امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر اور ہم پلہ امام ہیں۔ جس طرح جناب امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسفؒ کے استاد تھے۔ ویسے ہی امام محمد بن اسحاق بھی ان کے استاد تھے۔ کتاب الخراج میں قاضی ابو یوسف نے ص ٧۔ ٩۔ ١٩۔ ٢٠ اور ٢٦ پر ان سے باقاعدہ احادیث قبول کی ہیں۔ اگر وہ اس قابل نہیں تو انھوں نے کیوں احادیث لی ہیں۔ اور تمام محقق علماء احناف نے انہیں ثقہ ثقہ اور حجت اور بہت بڑا امام قرار دیا ہے۔ فتح الباری۔ فتح القدیر۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ اور جہاں تک حضرت امام داؤد بن الحصینؒ کا تعلق ہے تو وہ امام مالک کے استاد تھے امام مالک امام بخاری اور امام مسلم تو ان سے احادیث قبول کر لیں اور آپ اعتراض کریں امام بخاری بھی حدیث قبول کرتے ہیں امام مسلم بھی کرتے ہیں امام مالک بھی کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہیں جی ماشاءاللہ۔ لو! کمال بات ہے اور آپ اعتراض کریں۔ یہ ہمت صرف تعصب تقلید کی وجہ سے ہے امام الجرح والتعدیل جناب امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ امام مالک ان سے روایت لیتے ہیں ان کی روایت مقبول ہے۔ بہر حال اپنے موقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایسا کرنا ٹھیک نہیں کہ بڑے اماموں پر تنقید شروع کر دی جائے ورنہ امام ابو حنیفہؒ پر اتنی زیادہ جرح ہے کہ ان دونوں بزرگوں اور معاصرت کی بنا پر کی جانے والی تنقید کو جمع بھی کر دیا جائے تو امام ابو حنیفہ پر کی گئی جرح پھر بھی دس گنا زیادہ ہے تو وہ جرح قبول کر لیں جو امام ابو حنیفہ پر کی گئی ہے وہ جرح قبول کر لیں۔ جبکہ

پر جرح موجود ہونے کے باوجود نہ صرف یہ کہ وہ مقبول ہیں بلکہ ان کی تقلید بھی ساری دنیا چھوڑ کر صرف انہی کی واجب ہے اور اس انداز میں کہ حق چھوڑ دیں تقلید نہ چھوڑیں۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب نے اصول حدیث کی کتاب سے جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ قاعدہ تو درست ہے مگر اس قاعدہ کو محمد بن اسحاق کیلئے ثابت کرنا درست نہیں ہے اسلئے کہ وہ تو صرف مغازی کے امام ہیں اور فن حدیث میں مختلف فیہ راوی ہیں بلکہ امام احمد نے تو فرمایا کہ وہ حلال وحرام کے مسائل میں حجت ہی نہیں جیسا کہ اس کا حوالہ پہلے ص٤٣ میں دیا جا چکا ہے۔ جناب محمدی صاحب نے مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا ہے تو ان کی کتابوں میں محمد بن اسحاق کے بارہ میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ جناب محدث مبارکپوری صاحبؒ نے یوں بیان کر دیا ہے کہ فاضل لکھنویؒ نے اپنی کتاب امام الکلام میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق پر اگرچہ بہت سے ائمہ کی طرف سے کلام کیا گیا ہے لیکن ان کی جرحوں کے صحیح محامل ہو سکتے ہیں اور اس کے مقابل امت کے ثقہ لوگوں کی ایک جماعت سے اسکی تعدیل بھی ثابت ہے۔ اسی لئے جرح وتعدیل والوں کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ اسکی حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی۔ بلکہ بعض اہل استناد نے اسکی تصحیح بھی کی ہے (ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ص ٢١ ج ١) غور فرمائیں کہ فاضل لکھنویؒ جناب محمدؒ بن اسحاق کو متفقہ امام نہیں بلکہ مختلف فیہ راوی ثابت کر رہے ہیں۔

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق اور داؤد بن الحصین دونوں ثقہ ہیں اور محمد بن اسحاق پر جرح کی گنجائش اس صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ وہ عن سے روایت کریں اور یہاں وہ حدثنی سے روایت کر رہے ہیں (ملخصا) تو عرض ہے کہ معاملہ صرف عن اور حدثنی کا نہیں بلکہ حلال وحرام کا ہے اور ساری امت کے ساتھ اختلاف کا ہے اسلئے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور پھر داؤد بن الحصین کے بارہ میں امام ذہبیؒ نے لکھا ہے وقال ابو داود احاديثه عن عكرمة منا كير کہ عکرمہ سے اس کی احادیث منکر ہوتی ہیں وقال علي بن المديني مارواه عن عكرمة فمنكر کہ یہ جو روایت عکرمہ سے کرے تو وہ روایت منکر ہوتی ہے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ص ٥ ج ٢) اور غیر مقلد محدث مبارکپوری صاحبؒ لکھتے عن داود بن الحصين الاموي مولاهم ابو سليمان

المدنی ثقة الافی عکرمة ورمی برای الخوارج (تحفۃ الاحوذی ص ۷۳ ج ۳) یعنی
داؤد بن الحصین اگر عکرمہ کے علاوہ کسی اور سے روایت کرے تو ثقہ ہے اور اس کے بارہ میں
کہا گیا ہے کہ یہ خارجیوں جیسا نظریہ رکھتا تھا ان محدثین کرامؒ نے یہ فرمایا کہ داؤد بن الحصین
کی عکرمہ سے روایت معتبر نہیں جبکہ مسند احمد اور مسند ابو یعلی دونوں میں یہ عکرمہ ہی سے
روایت کر رہا ہے مسند احمد کی سندیوں ہے حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا سعد بن
ابرھیم ثنا ابی عن محمد بن اسحاق حد ثنی داود بن الحصین عن عکرمة
مولی ابن عباس. (مسند احمد ص ۲۲۵ ج ۱) اور مسند ابو یعلی میں سندیوں ہے حد ثنا عقبة
بن مکرم حدثنا یونس بن بکیر حد ثنا محمد بن اسحاق عن داود بن الحصین
عن عکرمة عن ابن عباس (مسند ابی یعلی ص ۳۷۹ ج ۴) یہ ہے اس روایت کا حال جس
کو لے کر غیر مقلدین حضرات ساری امت کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ فاعتبروا یا اولی
الابصار.

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ امام محمد بن اسحاقؒ امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر اور ہم پلہ ہیں
تو عرض ہے کہ ہم عصر ضرور ہیں مگر ہم پلہ کہنا نرا تعصب ہے غیر مقلدین حضرات کے شیخ
الکل فی الکل مولانا نذیر حسینؒ تو امام شافعیؒ کو بھی امام ابو حنیفہ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے چنانچہ وہ
لکھتے ہیں ورنہ ہم بھی امام صاحب کے فضائل سے منکر نہیں ہیں اور نہ ہی ہم امام شافعیؒ کو امام
ابو حنیفہؒ پر ترجیح دیتے ہیں اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ خود امام شافعیؒ نے اپنے اقرار سے
سب لوگوں کو فقہ میں امام صاحب کا عیال قرار دیا ہے (دفع الا لتباس عن بعض الناس
بحوالہ مقدمہ انوار الباری ص ۲۲۵ ج ۲)

جناب محمدی صاحب نے فرمایا کہ امام محمد بن اسحاقؒ امام ابو یوسفؒ کے استاد تھے اور انہوں نے
ان سے روایات بھی لی ہیں تو عرض ہے کہ جو روایات انہوں نے لی ہیں وہ ذخیرہ احادیث میں
دیگر اسناد سے بھی مل جاتی ہیں اور ان میں سے کوئی حلال و حرام سے متعلق بھی روایت نہیں
ہے بلکہ ص ۷ میں جو روایت لی ہے وہ ترہیب کے باب سے اور ص ۹ پر فقہ کی فضیلت کے
بارہ میں ہے اور ترہیب و فضائل میں تو ضعیف روایات بھی قابل قبول ہوتی ہیں اور
ص ۱۹ پر خمس اور اس کی تقسیم سے متعلق روایت ہے اور ص ۲۶ پر حضور ﷺ کے صحابہ

سے مشورہ کرنے کے متعلق ہے اور اس جیسی روایات ضعیف راویوں سے بھی لی جا سکتی ہیں
اس پر کوئی طعن کی بات نہیں۔ تعجب تو اس بات پر کہ صرف ایسے راوی پر مدار والی روایت
اور پوری امت کی نمازوں کا مسئلہ ہو اور اسی طرح صحابہ کرام، ائمہ اربعہ اور محدثین کرام
کا متفقہ نظریہ ہو کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور اس فیصلہ کے خلاف اس جیسے راوی کی
روایت پر مدار رکھ مخالفت کی جائے۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جناب محمدی صاحب کا یہ
فرمانا کہ داؤد بن الحصین بخاری اور مسلم کے راوی ہیں تو عرض ہے کہ یہ روایت انہوں نے
کیوں نہیں لی۔ آخر اسکی کیا وجہ ہے؟ اور پھر محمدی صاحب کا امام ابو حنیفہؒ پر اپنے غصیلے انداز
میں کچھ کہنا تو اس پر تبصرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ الحمدللہ امام صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے
دین کی جو خدمت لی اور ان کی فقہ سے امت مسلمہ جو فائدہ اٹھاتی چلی آ رہی ہے تو اسکو دیکھ کر
مخالفین سے یہی کہا جا سکتا ہے۔ موتوا بغیظکم.

مقالہ۔ دلیل نمبر سات۔ حدیث نمبر ۳۔ اس کا بھی ترجمہ سنیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس
رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت طاؤس بیان کرتے ہیں کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس
سے پوچھا تھا کہ آپ کو پتہ ہے علم ہے کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا نبی اکرم ﷺ
کے زمانہ میں بھی، حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں بھی، حضرت عمر کے ابتدائی دور میں
بھی تو انھوں نے کہا جی ہاں حضرت طاؤس کی موجودگی میں حضرت ابو الصہباء نے حضرت
ابن عباس سے یہ تصدیق کروائی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں یہی قانون تھا اگر کوئی شخص
غلطی سے تین طلاقیں اکھٹی دیتا تو انہیں صرف ایک طلاق ہی قرار دیا جاتا تھا تاکہ شریعت
کے قانون کے مطابق اس شخص کو رجوع کا حق حاصل ہو سکے جناب امام مسلم کے بیان سے
اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق بیاں ہو چکا ہے۔

بے شمار مزید دلائل اور اس مسئلہ پر کئی پہلو سے تفصیلی دلائل ہونے کے باوجود صرف ان ہی
دلائل پر اکتفا چاہتا ہوں کیونکہ اس مسئلہ پر بالا ختصار گفتگو آج کی اس مختصر مجلس میں نہ تو
ممکن ہے اور نہ ہی اسکی کوئی ضرورت ہے کیونکہ اصل مقصود اسلام کا اصل نظام طلاق بیان
کرنا ہے جو کہ الحمدللہ مذکورہ دلائل سے روز روشن کیطرح واضح ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ
اسلام میں کسی بھی ایسی طلاق کا کوئی تصور اور جواز موجود نہیں جو پہلی مرتبہ بھی ہو اور اس

میں میاں بیوی کے دوبارہ اکٹھے ہونے کی کوئی گنجائش بھی نہ ہو اور اگر کوئی شخص ناواقفیت کی وجہ سے اس طریقہ کے خلاف اکٹھی یا بغیر رجوع اور صلح کے طلاق دیتا ہے تو انہیں صرف شریعت اسلام کے قانون کے مطابق ہی نافذ قرار دیا جائے گا یہ نہیں ہوگا کہ کسی عام آدمی نے غلطی کی ہے تو مفتی صاحب اور قاضی صاحب بھی ساتھ غلطی کرنے کے پابند ہو جائیں۔ یہ نہیں ہوگا۔

جواب مقالہ۔ اس روایت کے بارہ میں بحث ص۲۵ میں ہو چکی ہے اور جناب محمدی صاحب جو یہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں کوئی ایسی طلاق نہیں جو پہلی مرتبہ بھی ہو اور اس کے بعد میاں بیوی کے اکٹھے ہونے کی گنجائش بھی نہ ہو۔ ان کے اس دعوی کا جائزہ بھی پہلے ص۶۸ میں بیان ہو چکا ہے۔

نیز یہ کہنا کہ دوسری طلاق تب درست ہوگی جب کہ پہلی طلاق کے بعد رجوع اور صلح ہو جیساکہ جناب محمدی صاحب کی تقریر سے عیاں ہے تو یہ نظریہ بالکل باطل ہے اسکے بارہ میں ہم پہلے کچھ ص۶۷ پر بیان کر چکے ہیں کہ یہ نظریہ شیعہ حضرات کا ہے غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ **فطلقو هن لعد تهن** کی تفسیر میں حضرت ابن مسعودؓ سے بھی صحیح سند کے ساتھ امام طبری نے یہی قول نقل کیا ہے کہ طلاق سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی عورت کو ہر طہر میں ایک طلاق دے (التعلیق المغنی ص ۵ ج ۴) اور امام طبریؒ نے اسکی صورت یہ لکھی ہے کہ اگر آدمی اپنی عورت کو تین طلاقیں دینا ہی چاہتا ہے تو جس طہر میں اس نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا اس طہر میں ایک طلاق دے پھر اسکو چھوڑ دے (یعنی رجوع نہ کرے) یہاں تک کہ جب وہ اس طلاق والے طہر کے بعد والے حیض سے فارغ ہو کر پاک ہو جائے۔ تو اس طہر میں اسکو دوسری طلاق دے پھر اسکو چھوڑ دے تو جب وہ اس دوسری طلاق والے طہر کے بعد والے حیض سے پاک ہو جائے تو پھر تیسری طلاق دے پھر وہ عورت اسکے لئے اسوقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے (تفسیر طبری ص ۱۳۱ ج ۲۸) اب حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابی جنکو صحابہ کرامؓ میں قرآن کریم کی تفسیر میں امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ تو فرمائیں کہ تین طہروں میں تین طلاقیں درمیان میں رجوع کئے بغیر اسلامی

طریقہ ہے۔ اور اسکو طلاق سنت قرار دیں مگر جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ناواقفیت کی وجہ سے اس طریقہ کے خلاف اکٹھی یا بغیر رجوع اور صلح کے طلاق دیتا ہے تو انہیں صرف شریعت اسلام کے قانون کے مطابق ہی نافذ قرار دیا جائیگا۔ تو اس کا فیصلہ خود عوام الناس کریں کہ کس کی بات معتبر ہوگی ؟ اور ہم پہلے یہ بھی ص۶۹ پر بیان کر چکے ہیں کہ جو نظریہ اس بارہ میں محمدی صاحب پیش کر رہے ہیں اسکی تردید خود غیر مقلدین علماء نے بھی کی ہے اور امیر یمانیؒ کا پہلے نظریہ وہی تھا جو جناب محمدی صاحب کا ہے مگر بعد میں انہوں نے اس نظریہ سے رجوع کر لیا تھا جیساکہ نواب صدیق حسن خان نے السراج الوہاج ص ۵۵۱ ج ۱ میں ان کا رجوع ذکر کیا ہے۔

مقالہ۔ اب ان دلائل کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے جن سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں کہ اکٹھی دی ہوئی تین طلاقیں تینوں ہی شمار ہونگی چاہے وہ جائز ہیں یا نہیں ویسے تو لفظ طلاق کی لغوی اور شرعی تعریف اور معنے سمجھنے کے بعد

اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ طلاق پر طلاق ہو۔ نکاح ختم کرنے کا نام طلاق ہے تاہم ہر شخص کو اپنے موقف کے دلائل پیش کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے

جواب مقالہ۔ ہم نے طلاق کی لغوی و شرعی تعریف ص۲ میں بیان کر دی ہے جسکی وجہ سے طلاق کے معاملہ میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا مگر جناب محمدی صاحب کا اصرار ہے کہ طلاق کی تعریف یہی ہے کہ نکاح ختم کر دینے کا نام طلاق ہے تو عرض ہے کہ اس صورت میں تو طلاق رجعی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اسلئے کہ جب طلاق دے دی تو نکاح ختم ہو گیا اب رجوع کہاں سے ہوگا ؟ اسلئے ہم نے حضرات فقہاء کرام سے جو طلاق کی تعریف نقل کی ہے وہی بہتر ہے۔

مقالہ۔ لہذا پیش کئے گئے دلائل کچھ اس طرح ہیں۔

نمبر ایک۔ یہ بات بڑی توجہ سے سنیں ذرا۔ میں نے خاص طور پر عمدۃ الاثاث جن کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے ناں ان کا ذکر اس دلیل کے حوالہ سے کیا ہے فرماتے ہیں جناب امام شافعیؒ کا وہ استدلال جس پر مصنف عمدۃ الاثاث کو بڑا ناز ہے کچھ اس طرح ہے۔

والقران والله اعلم يدل على ان من طلق زوجته دخل بها او لم يدخل بها ثلاثا لم

تحل له حتی تنکح زوجا غیره ۔یہ ترجمہ جو انھوں نے کیا ہے میں نے وہ پیش کیا ہے۔جی
مصنف عمدۃ الاثاث کا یہ ہے سنیں اور علم کی داد دیں۔لکھتے ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں اللہ
تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ قرآن کریم کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص نے اپنی
بیوی کو تین طلاقیں دے دیں عام اس سے کہ اس نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو تو وہ
عورت اس شخص کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔
ترجمہ عمدۃ الاثاث کا اس لیے پیش کیا ہے کہ آپ کو یہ پتہ چل سکے کہ ان بزرگوں کی علمی
پوزیشن کیسی ہے ان کنت لا تدری فتلك مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة اعظم
قال الشافعی رحمه الله تعالی فالقران والله اعلم یدل علی ذالك کا ترجمہ کسی عام
سمجھدار ابتدائی طالب علم سے کروایا جائے تو وہ اس غلطی کا شاید سہواً بھی ارتکاب نہ کرے
جس کا ارتکاب جمہور کے بلافیس وکیل نے کیا ہے۔اس استدلال کے جواب میں گزارش ہے
لفظ یہ ہیں کہ میں اس آیت کا یہ مطلب سمجھتا ہوں انھوں نے یہ بیان کیا امام شافعیؒ نے کہ
میں اس آیت کا یہ مطلب سمجھتا ہوں ویسے اس آیت کا صحیح مطلب کیا ہے وہ اللہ جانتا ہے اور
انھوں نے ترجمہ کیا کیا ہے اللہ جانتے ہیں کہ یہ اس کا مطلب ہے کمال بات ہے۔
اللہ خوب جانتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب ہے اس استدلال کے جواب میں گزارش ہے کہ
واقعتاً قرآن مجید کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق اگر کوئی شخص تین دفعہ طلاق دے گا تو اس
کی بیوی اس کے لیے حرام ہو گی قرآن مجید نے صرف اسی انداز کا تذکرہ کیا ہے جو قرآن
مجید میں بطور قانون کے بیان کیا گیا ہے قرآن مجید میں مولویوں کے بیان کردہ طریقہ کا ذکر
نہیں ہے قرآن مجید میں قرآن مجید کے بیان کردہ طریقہ کا ذکر ہے۔
جواب مقالہ۔جناب محمدی صاحب نے عمدۃ الاثاث میں کیے گئے ترجمہ کو اپنی جہالت کی وجہ
سے طعن کا نشانہ بنایا ہے ورنہ اہل علم اصل عبارت ترجمہ سمیت عمدۃ الاثاث ص ۵۱ میں دیکھ
سکتے ہیں کہ اس عبارت کا بہتر انداز میں ترجمہ اس سے اچھا ہو ہی نہیں سکتا اصل عبارت یوں
ہے فالقران واللہ اعلم یدل۔عربی جاننے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ اس عبارت میں واللہ
اعلم جملہ معترضہ ہے اور ترجمہ کرنے میں بہتر یہی ہوتا ہے کہ جملہ معترضہ کو درمیان سے
علیحدہ کر کے ترجمہ کیا جائے تاکہ اس سے پہلے اور بعد والے کلام کا تسلسل قائم رہے اسی

انداز کو اپناتے ہوئے واللہ اعلم کا ترجمہ پہلے کر دیا ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے اور پھر فالقران
یدل کے درمیان تسلسل قائم رکھتے ہوئے ترجمہ کیا قرآن کریم کا ظاہر اس امر پر دلالت
کرتا ہے یہ تو ترجمہ کا بہترین انداز ہے اس پر طعن نری جہالت ہے۔پھر جناب محمدی صاحب
نے خود جو ترجمہ کیا ہے وہ مضحکہ خیز ہے فرماتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ امام شافعی نے
کہا کہ میں اس آیت کا یہ مطلب سمجھا ہوں ویسے اس آیات کا صحیح مطلب اللہ جانتا ہے تو اہل
علم سے درخواست ہے کہ وہ دیکھیں کہ کیا یہ ترجمہ ہے۔کیا اس کو ترجمہ کہا جا سکتا
ہے۔جناب محمدی صاحب ذرا افشان دہی تو کریں کہ اس عبارت میں وہ کون سے الفاظ ہیں
جن کا ترجمہ یہ ہے کہ میں آیت کا مطلب یہ سمجھا ہوں۔اگر وہ الفاظ نہیں ہیں اور یقیناً نہیں
ہیں تو محمدی صاحب کے اس انداز کو جہالت کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے؟اس کو مفہوم تو کہہ
سکتے ہیں ترجمہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔جیسے قرآن کریم کی آیت غیر المغضوب علیهم
ولا الضالین کا مفہوم تو یہ ہے کہ پروردگار ہمیں یہود و نصاری کے راستہ پر نہ چلا مگر اس کو
اس کا ترجمہ نہیں کہہ سکتے ترجمہ یہی ہو گا کہ جن لوگوں پر تیرا غضب نازل ہوا ان کے راستہ
پر بھی نہ چلا اور نہ ہی گمراہوں کے راستہ پر چلا۔تعجب ہے کہ مفہوم اور لفظی ترجمہ کے
درمیان فرق نہ کر سکنے والے سر ٹکرانے کی کوشش کرتے ہیں اس علمی پہاڑ کے ساتھ جس
کے سامنے جناب محدث گوندلویؒ جیسے بے بس اور عاجز نظر آتے رہے۔

؎ دعوی ہے یہاں بحر شناسی کا اسے بھی جس شخص کو دریا میں اترنا نہیں آتا

جناب محمدی صاحب نے طنز کے انداز میں حضرت مولانا سرفراز صاحب صفدر دام مجدہم کو
جمہور کا بلافیس وکیل کہا ہے تو ان کا طنز سہی مگر ہمارے لئے اسمیں فخر کی بات ہے کہ اللہ
تعالےٰ نے مولانا صفدر صاحب دام مجدہم کے مخالفین سے بھی یہی کہلوایا کہ مولانا صاحب
نے ہر قسم کے ذاتی مفاد کو پس پشت ڈال کر جمہور کی وکالت کی ہے والحمد لله علی
ذالک والفضل ما شهدت به الاعداء.
جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں قرآن مجید نے صرف اسی انداز کا تذکرہ کیا ہے جو قرآن مجید
میں بطور قانون کے بیان کیا ہے الخ۔تو عرض ہے کہ یہی تو ہم کہتے ہیں اور ہم نے ص ۶۲ پر اسکو
بیان کیا کہ قرآن مجید نے شرعی طلاق کا انداز بیان کیا ہے لہذا بدعی طلاق کا جو مرتکب ہے وہ

فقد ظلم نفسہ کی مد میں ہے۔باقی رہا بد عی طلاق کا حکم تو وہ احادیث اور اقوال صحابہؓ سے واضح طور پر ثابت ہے کہ وہ نافذ ہوتی ہے۔ حیض کی حالت میں ہو یا ایسے طہر میں جسمیں اس نے عورت سے ہمبستری کی ہو یا اکٹھی تین طلاقیں دینے کی صورت میں ہو ہر صورت میں بد عی طلاق نافذ ہوتی ہے۔

مقالہ۔ سوال تو یہ ہے کہ اکٹھی تین طلاقوں کو تین قرار دے کر ان سے پہلی مرتبہ ہی بیوی کو کس دلیل سے حرام کیا گیا ہے اس کا کوئی جواب نہیں۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب اپنے سوال کا خود ہی جواب کیوں دے رہے ہیں کہ اس کا کوئی جواب نہیں ہمارے جواب کا انتظار کیوں نہیں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آنکھوں سے تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو سب کچھ نظر آئے گا اور وہ الفاظ نظر آئیں گے جن سے تین طلاقوں کا تین ہی ہونا اور ان کے بعد رجوع کا حرام ہونا ثابت ہو تا ہے۔ (بخاری ص ۷۹۱ ج ۲ اور مسلم ص ۴۶۳ ج ۱) میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں ان رجلا طلق امراته ثلاثا کے الفاظ اور نسائی ص ۸۲ ج ۲ میں حضرت محمود بن لبیدؓ کی روایت میں اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امراته ثلث تطليقات جميعا کے الفاظ اور (بخاری ص ۷۹۲ ج ۲) میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں فان طلقها ثلاثا حرمت کے الفاظ اور ابو داؤد ص ۳۰۵ ج ۱ میں حضرت عویمرؓ کی روایت میں فطلقها ثلاثا کے الفاظ اور ابو داؤد ص ۳۰۶ ج ۱ میں حضرت سھل بن سعدؓ کی روایت میں فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فانفذه رسول الله ﷺ کے الفاظ اور مسند احمد ص ۴۱۷ ج ۶ میں ان اخی طلقها ثلاثا جميعا کے الفاظ اور ان کے علاوہ دیگر روایات بھی موجود ہیں جو عمدۃ الاثاث اور اس موضوع پر لکھی گئی دیگر کتابوں مثلاً خیر الفتاوی جلد نمبر ۵ وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ان روایات میں یہ الفاظ ضرور نظر آئیں گے بشرطیکہ تعصب کی عینک آنکھوں سے اتار کر دیکھا جائے۔

مقالہ۔اب مصنف عمدۃ الاثاث فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ نے طلاق دینے کا قاعدہ اور ضابطہ یہ بیان فرمایا ہے کہ دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے۔یہ کہتے ہیں پہلی مرتبہ بھی نہیں خود ہی بیان کر تا ہے دو طلاقوں کے بعد رجوع کا

حق حاصل ہے اور اسی طرح بیوی کو حبالہ عقد اور نکاح میں نہ رکھنے کا حق بھی اسے پہنچتا ہے۔ یہ ہے اصل منطق کی بات۔دوسری طلاق کے بعد رجوع کا حق بھی ہے اور حبالہ عقد میں نہ رکھنے کا حق بھی پہنچتا ہے۔ اس تقریر پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب طلاق حبالہ عقد کھولنے اور نکاح ختم کر دینے کا ہی نام ہے تو وہ کونسی حبالہ عقد ہے کہ جس میں نہ رکھنے کا حق خاوند کو ابھی بھی پہنچتا ہے۔ کیا وہ طلاق کے ذریعہ ختم نہیں ہوئی۔ یہ عجیب لطیفہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے مجھے اپنے بھائی کی بیوی کو حبالہ عقد میں نہ رکھنے کا حق پہنچتا ہے۔ یہ تو اس کی بیوی نہیں رہی اسے حبالہ عقد میں نہ رکھنے کا اختیار کیسے ہو گا۔وہ بیوی کسی کی ہے یا اجنبی ہے یا مطلقہ ہے آپ کہتے ہیں کہ مجھے ابھی اختیار ہے کہ میں اسے حبالہ عقد میں نہ رکھوں بھائی نہ رکھنے کا اختیار کہاں سے آیا وہ تو آپ نے پہلے ختم کر دیا ہے۔ اللہ اکبر۔ نکاح حبالہ عقد کا مطلب نکاح......جی.....ہاں جی..... تو وہ کونسی...... اسلئے میں نے اسے اپنے حبالہ عقد میں نہیں رکھا۔جب طلاق سے حبالہ عقد ختم ہو گئی اب نہ رکھنے کا حق کیسے ؟

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب عجیب بوکھلاہٹ کا شکار ہیں اور اسی حالت میں اعتراض کر رہے ہیں حالانکہ بات واضح ہے کہ دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے یعنی رجوع والی طلاق یہی ہے اس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔باقی رہی مرتان اور دو طلاقوں کی بحث تو وہ ص۶۹ میں ہم نے تفصیل کر دی ہے۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں اس تقریر پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب طلاق حبالہ عقد کھولنے اور نکاح ختم کر دینے کا ہی نام ہے تو وہ کونسی حبالہ عقد ہے کہ جس میں نہ رکھنے کا حق ابھی بھی اسکو پہنچتا ہے الخ جناب محمدی صاحب کے سوال کے اس انداز سے واضح ہو تا ہے کہ وہ فامساک بمعروف او تسریح باحسان کے مفہوم ہی سے بے خبر ہیں یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ اسلئے کہ جب الطلاق مرتان کے بعد قرآن کریم نے فامساک بمعروف او تسریح باحسان فرمایا ہے یعنی معروف انداز سے رکھنے یا اچھے انداز سے جدا کرنے کا اختیار دیا ہے تو عمدۃ الاثاث میں فامساک بمعروف کو رجوع کرنے اور تسریح باحسان کو حبالہ عقد میں نہ رکھنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جناب محمدی صاحب سے کوئی پوچھے کہ کیا دو دفعہ طلاق کے بعد عدت کے دوران رجوع کر کے آدمی عورت کو بغیر نکاح جدید کے اپنے پہلے حبالہ

عقد میں رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح اگر وہ رجوع نہ کر کے اسکو اپنے حبالہ عقد سے نکالنے
اور حبالہ عقد میں نہ رکھنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں ؟ اور اگر اختیار رکھتا ہے اور یقیناً رکھتا ہے
تو اس پر اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے ؟ جناب محمدی صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ طلاق نکاح ختم
کر دینے ہی کا نام ہے اور طلاق کے بعد وہ عورت اس مرد کے حق میں اجنبی ہو گئی اور اسی وجہ
سے انہوں نے یہ مثال دی کہ کوئی کہتا ہے کہ مجھے اپنے بھائی کی بیوی اپنے حبالہ عقد میں نہ
رکھنے کا اختیار ہے وغیرہ۔ تو اس تقریر کے ایک ایک لفظ سے جناب محمدی صاحب کی جہالت
ٹپکتی نظر آ رہی ہے۔ اسلئے کہ جب تک نئے نکاح کے بغیر اس آدمی کو اس بیوی کے رکھنے کا
اختیار ہے تو اس وقت تک یہ اس کے حبالہ عقد میں ہی ہوتی ہے اسی لئے تو قرآن کریم نے
وبعولتھن فرمایا ہے کہ ان کے خاوند ان کو لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اگر تعلق بالکل ہی ختم ہو
گیا تو پھر ان مردوں کو ان عورتوں کا خاوند کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جب نئے نکاح کی
ضرورت ہوتی ہے تو اس وقت یہ عورت اس مرد کے نکاح میں باقی نہیں رہتی اور یہی کچھ غیر
مقلد علماء بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ فتاوی نذیریہ کے حاشیہ میں ہے کہ رجوع بالکنایہ یہ
ہے کہ مثلاً کہے تو میرے لئے ویسی ہی ہے جیسے پہلی تھی اور تو میری بیوی ہے۔ اس میں اگر
نیت ہو گی تو رجوع ہو گا ورنہ نہیں (حاشیہ فتاوی نذیریہ ص ۴۰، ج ۳، حاشیہ نمبر ۱) اور
فتاوی ثنائیہ میں ہے رجوع کی صورت یہ ہے کہ عورت کو اپنی منکوحہ کی طرح ہاتھ لگا دے
(فتاوی ثنائیہ ص ۲۹۷، ج ۲) اب جناب محمدی صاحب سے گذارش ہے کہ وہ اپنے ان
مقتیان کرام پر بھی اسی طرح کا طنز کریں جیسے انہوں نے عمدۃ الاثاث کی عبارت پر کیا ہے اور
اپنے ان مفتیوں سے کہیں کہ جب طلاق دے دی تو پھر وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تو میرے لئے
ویسی ہی ہے جیسے پہلے تھی اور تو میری بیوی ہے۔ اور پھر جب طلاق دے دی تو وہ آدمی جناب
محمدی صاحب کے فلسفہ کی روشنی میں اس عورت کو اپنی منکوحہ کی طرح ہاتھ کیسے لگا سکتا ہے
مقالہ۔ پھر پہلو بدلتے ہیں اور کمال استدلال فرماتے ہیں۔ تقریر استدلال یوں ہے فان طلقہا
کہتے ہیں فان طلقہا اس سے پہلے الطلاق مرتان آلایۃ کا ذکر ہے۔ یعنی طلاق رجعی دو دفعہ ہے
اس کے بعد فان طلقہا (الآیہ) میں حرف فاء کے ساتھ جو اکثر تعقیب بلامهلت کے لئے آتا
ہے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر دو مرتبہ طلاق دے چکنے کے بعد فوری طور پر تیسری طلاق

دیدے تو اب وہ عورت اس مرد کیلئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور
مرد سے نکاح نہ کرے۔ یعنی فاء کا یہ معنے ہوا کہ دو طلاقوں کے بعد اگر فوری تیسری طلاق
دے گا تو پھر یہ حکم ہے کہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو گی۔ کیسی عجیب منطق ہے۔ جب
دوسری طلاق کے بعد فوراً تیسری دے تو پھر اس کا یہ اختیار ختم ہو جائیگا۔ اگر فوراً نہ دے تو
پھر ؟ پھر باقی رہے گا ؟ کیسا عجیب انداز ہے۔ سامعین اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ استدلال کیسے پر
تکلف انداز میں کیا گیا ہے اور یہ یاد ہی نہیں کہ اس استدلال سے تو بہت سی خرابیاں جنم لیں
گی۔ اگر اس بات کو اس انداز میں تسلیم کر لیا جائے تو لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ اگر کوئی شخص دو
طلاقوں کو دو طلاقوں کے فوراً بعد تیسری طلاق نہیں دیتا بلکہ کچھ دن بعد دیتا ہے تو اسکی
بیوی تیسری طلاق کے بعد بھی اس کے لئے حرام نہیں ہو گی۔ فوراً بعد دینے سے حرام ہو گی
فوراً بعد نہیں دیتا تو پھر حرام نہیں ہو گی۔ اور پھر یہی حرف فاء آگے آنے والے فان طلقها
فلا جناح عليهما ان يترا جعا میں موجود ہے تو پھر اس کا مطلب یہ کرنا پڑے گا کہ دوسرا
خاوند ہاں اگر دوسرا خاوند طلاق دے دے یہاں بھی ہے فان طلقها نکاح کے بعد فان
طلقها یعنی نکاح کے بعد اگر خاوند فوراً نکاح کے بعد طلاق دے تو پھر پہلے خاوند کے لئے
حلال ہو گی اگر دو چار دس دن بعد میں دے تو پھر ؟ لیکن پھر نہیں حلال........
اگر نکاح کے فوراً بعد بلامہلت طلاق دے تو پہلے خاوند کے لئے حلال ہو گی اور اگر کچھ دیر بعد
طلاق دے گا تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو گی اور پھر یہی فالطلاق مرتان فامساک
بمعروف او تسریح باحسان میں بھی ہے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ رجوع والی طلاق کے بعد خاوند
اگر بلامہلت فوراً رجوع کر لے تو رجوع ہو گا اگر کچھ منٹ کی مہلت کے بعد ہو تو وہ اس حق
سے محروم ہو جائیگا۔ اپنے استدلال دیکھیں اور آئینہ بھی دیکھیں کہ کہیں کوئی شرمندگی کے
آثار ہیں یا نہیں۔

جواب مقالہ۔ قارئین کرام عمدۃ الاثاث کی اصل عبارت دیکھیں اور پھر جناب محمدی صاحب
کے اعتراض کا جائزہ لیں۔ عمدۃ الاثاث میں فان طلقها فلاتحل له سے امام شافعیؒ کا
استدلال ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے اس سے پہلے الطلاق مرتان الآیۃ کا ذکر ہے یعنی طلاق
رجعی دو دفعہ ہے اس کے بعد فان طلقها الآیہ میں حرف فا کے ساتھ (جو اکثر تعقیب

بلامهلہ کے لئے آتا ہے) یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر دو مرتبہ طلاق دے چکنے کے بعد فوری طور پر (یعنی تیسری) طلاق دے دے تو اب وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے اور پھر وہ اپنی مرضی سے طلاق دے اور عدت گزر جائے۔ اس جگہ اگر حرف ثم یا اسی قسم کا کوئی اور حرف ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا تو اس کا مطلب متعین طور پر یہ ہو سکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق ہی متعین ہے مگر واقعہ یوں نہیں ہے یہاں حرف فا ہے جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ دو طلاق کے بعد اگر فی الفور تیسری طلاق بھی کسی نادان نے دے دی تو اب اس کی بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک ہی مجلس اور ایک ہی جگہ میں تین طلاقیں دی جائیں۔ الغرض حضرت امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ اگر تین طلاقیں دے دی ہوں، تو اب وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے.... پھر آگے لکھا ہے اس آیت کا ظاہری مطلب تو اسی کی تائید کرتا ہے کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں واقع ہوں وہ تین ہی متصور ہوں گی ہاں عموم الفاظ اور دیگر دلائل کے پیش نظر ہر ہر طہر پر دی گئی طلاق بھی اس کے عموم میں شامل ہے (عمدۃ الاثاث ص ۵۱، ۵۲) یہ عبارت اپنے مفہوم میں کس قدر واضح ہے مگر جناب محمدی صاحب نے اگر مگر کا سہارا لے کر خواہ مخواہ اعتراض کیا ہے۔ اور پھر محمدی صاحب اس قاعدے سے بھی ناواقف نظر آتے ہیں کہ احناف کے نزدیک تو مفہوم مخالف کا اعتبار ہی نہیں ہوتا اسلئے جتنی بات عبارت سے ثابت ہو گی اس کا اعتبار ہو گا اور اس کا دوسرا پہلو مستقل مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسے جب یہاں یہ کہا کہ فی الفور تیسری طلاق دے دے تو اس سے اسی کا حکم اخذ ہو گا باقی رہا یہ کہ اگر فی الفور نہ دے تو یہ اس کا مفہوم مخالف ہے اور یہ مستقل مسئلہ ہے
اس سے اسکی نفی نہیں ہوتی۔ اسی لئے عمدۃ الاثاث میں واضح کیا گیا ہے۔ ہاں عموم الفاظ اور دیگر دلائل کے پیش نظر ہر ہر طہر پر دی گئی طلاق بھی اس کے عموم میں شامل ہے باقی جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کی فان طلقها فلا جناح علیهما میں بھی فا ہے الخ۔

تو عرض ہے کہ اسمیں فاتعقیب کیلئے نہیں ہو سکتا اسلئے کہ صحیح روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب ایک عورت نے پہلے خاوند کی جانب لوٹنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک دوسرا خاوند ہمبستری نہ کرے اسوقت تک پہلے خاوند کے لئے یہ عورت حلال نہیں ہو سکتی۔ (بخاری ص ۷۹۱ ج ۲ و مسلم ص ۴۶۳ ج ۱) اگر یہاں فاء تعقیب کیلئے ہوتی تو ہمبستری کو شرط قرار نہ دیا جاتا۔
پھر جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں اپنے استدلال دیکھیں اور آئینہ بھی دیکھیں کہ کہیں کوئی شرمندگی کے آثار ہیں کہ نہیں تو عرض ہے کہ استدلال تو امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ نے کیا ہے۔ مولانا صفدر صاحب دام مجدہم نے تو اس استدلال کی وضاحت کی ہے۔ اگر محمدی صاحب امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ کو آئینہ دکھا کر شرمندگی کے آثار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس سے بہتر ہے کہ وہ آئینہ میں خود ہی جھانک لیں اگر ہر چہ خواہی کن تک نوبت نہ پہنچ گئی ہو تو جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں ان کو وہاں ضرور نظر آجائے گا۔
مقالہ۔ دوسری دلیل۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی ﷺ یاسائل بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اتحل للاول قال لاحتی یذوق عسیلتها کما ذاقها الاول. انداز استدال یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ لفظ ہیں مولانا کے اپنے اس حدیث میں طلق امراته ثلاثا کا جملہ بظاہر اسی کا مقتضی ہے کہ یہ تین طلاقیں اکٹھی اور دفعتاً دی گئیں۔ کہتا ہے کہ ظاہر اس کا یہی مطلب بنتا ہے کہ اکٹھی دی گئی تھیں تو گذارش ہے کہ بظاہر کی طرح اگر حقیقت میں بھی یہ جملہ اکٹھی تین طلاقوں پر دلالت کرتا تو پھر بھی آپ کی بات بن سکتی تھی لیکن حقیقت کچھ اور ہے ظاہر صرف آپ کو نظر آتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس نے تین اکٹھی دی تھیں تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ نبی پاک ﷺ نے انکار نہیں کیا لہذا تین اکٹھی دینا جائز ہوا جبکہ آپ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ناجائز ہے حرام ہے اگر جائز نہیں تو آپ ﷺ نے برداشت کیوں کیں؟ اور اگر اکٹھی تین حرام ہونے کے باوجود آپ نے انکار نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اکٹھی تین نہیں دی گئیں بلکہ آپ نے ان طلاقوں کو تین قرار دیا ہے جو شریعت کے مطابق دی گئیں صحیح بخاری میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے فطلقها آخر ثلاث تطليقات

کہ اسکی یعنی حضرت عائشہ کی بیان کردہ بیوی نے یہ کہا کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقوں میں سے سب سے آخری صرف ایک طلاق دی اب بتائیے یہ آپ کی کیسے دلیل بنتی ہے ایسے ہی بظاہر والی حضرت عائشہ سے ایک دو روایات بیان کی جاتی ہیں جنکی اصل حقیقت یہی ہے جو بیان کر دی گئی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ تین دی گئی تھیں ظاہر کیسے ہوتا ہے بھائی یہ تو ظاہر نہیں ہوتا۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب روایت کے الفاظ پڑھتے ہوئے فرماتے ہیں فسئل النبی ﷺ یاسال بھی پڑھ سکتے ہیں یہ محمدی صاحب نے کہہ تو دیا مگر اس کے نتیجہ سے بالکل غافل ہیں اسلئے کہ اگر سال پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ دوسرا خاوند جس نے ہمبستری سے پہلے ہی عورت کو طلاق دیدی تھی اس نے یا پہلے خاوند نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ کیا اب یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دوسرے خاوند نے پہلے خاوند کے لئے حلال کرنے کے لئے اس عورت سے نکاح کیا تھا اور طلاق دی تھی جیسا کہ کسی بھی ایسے صاحب علم پر مخفی نہیں ہے جو سوال کے انداز پر غور کرے اور پھر یہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے اسکو ڈانٹا نہیں تو حلالہ جائز ہوا۔ اگر محمدی صاحب سال پڑھنے کے جواز پر اب بھی مصر ہیں تو ان کو یہ نتیجہ تسلیم کرنا چاہئے ورنہ اپنی غلطی کا برملا اعتراف کرنا چاہئے کہ اس روایت میں سال پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے جناب محمدی صاحب نے عمدۃ الاثاث کی عبارت میں غور کئے بغیر اعتراض کر دیا عمدۃ الاثاث کی عبارت یہ ہے۔ اس حدیث میں طلق امرائته ثلاثا کا جملہ بظاہر اسی کا مقتضی ہے کہ یہ طلاقیں اکٹھی اور دفعتاً دی گئی تھیں اور ساتھ ہی عمدۃ الاثاث میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینیؒ سے نقل کیا گیا کہ انھوں نے بھی یہی فرمایا ہے مگر جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ بظاہر صرف اس لئے کہا کہ چونکہ احناف تین طلاقوں کو اکٹھی دینے کی صورت میں ناجائز کہتے ہیں اور اس صورت میں ان کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے اسلئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس پر کوئی تنبیہ نہیں فرمائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعل جائز ہے جب جواز ثابت ہوتا ہے اور احناف اس کو ناجائز کہتے ہیں اس لئے بظاہر کہا (ملخصا) تو عرض ہے کہ اس روایت میں اشارہ یا کنایہ کسی بھی لحاظ سے تین اکٹھی طلاقوں کا جواز نہیں نکلتا یہ صرف جناب محمدی صاحب کا اختراعی اور من گھڑت

مفہوم ہے اور روایت کے الفاظ پر غور نہ کرنیکا نتیجہ ہے۔ اسلئے کہ آپ ﷺ سے دوسرے خاوند کی طلاق کے بعد مسئلہ پوچھا گیا کہ کیا اب یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو گئی ہے کہ نہیں۔ اس میں پہلے خاوند کی کاروائی کا کوئی تذکرہ ہی نہیں جس نے تین طلاقیں اکٹھی دی تھیں اس کا تو سوال کے ساتھ تعلق ہی نہیں اور ایسی توقع تو ایک عام مفتی سے بھی نہیں کی جاسکتی کہ اس سے مسئلہ دوسرے خاوند کی طلاق کے بارہ میں پوچھا جائے اور وہ پہلے خاوند کی کاروائی پر غصہ کرنا شروع کر دے چہ جائیکہ اس قسم کی صورت حال کی توقع نبی کریم ﷺ سے کی جائے۔ جب پہلے خاوند کی کاروائی کا ذکر ہی یہاں نہیں ہے تو یہ کہنا کہ طلقھا آخر ثلث تطلیقات کے الفاظ بخاری شریف میں ہیں اس کا کوئی ربط ہی یہاں نہیں بنتا جہاں ان الفاظ کا ربط بنتا ہے وہاں ہم ص میں اس پر بحث کر چکے ہیں۔

مقالہ۔ ایک اور دلیل جو عمدۃ الاثاث میں پیش کی گئی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان کے سامنے تین طلاقیں دیں تو آپ نے ان کو تین ہی قرار دیا یہ الگ بات ہے کہ دفعتاً تین طلاقیں دینے پر ناراضگی کا اظہار کیا اب اگر یہ بات کہیں لکھی ہوئی مل جائے کہ نبی پاکؐ نے انہیں تین ہی قرار دیا تھا تو بات نہ بن جائے لیکن یہ اپنی طرف سے اضافہ ہے اگر یہ بات کہیں لکھی ہوئی مل جائے کہ آپ نے ان کو تین ہی قرار دیا تو لکھنے والے کو سوء فہم کا شکار اور دجل کا مرتکب نہیں کہا جائے گا بشرطیکہ وہ یہ ثابت کر دکھا دیں لیکن کام ان کے بس کا نہیں۔ نبی ﷺ اسے کتاب اللہ سے مذاق قرار دے رہے ہیں اور اتنے غصہ میں ہیں کہ لوگوں نے اس شخص کو قتل کر دینے کی اجازت مانگ لی اور یہ اپنی طرف سے تین طلاقیں بنا رہے ہیں۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کو یہ چیلنج بازی اس وقت زیب دیتی جب عمدۃ الاثاث میں یہ کہا گیا ہوتا کہ یہ روایت کے الفاظ ہیں بلکہ وہاں تو یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت محمود بن لبید والی روایت ذکر کر کے علامہ ابن القیمؒ تردید کئے بغیر علامہ قاضی ابو بکر بن العربیؒ کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں فلم یردہ النبی ﷺ بل امضاہ کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو رد نہ کیا بلکہ ان تینوں طلاقوں کو جاری فرمایا۔ اور پھر آگے یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے محمود بن لبیدؓ کی حدیث میں یہ لفظ بھی زائد کر

ڈالے ہیں وامضاہ ولم یردہ اور یہ موضوع ہیں۔ کیونکہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ مذکور نہیں اور قائل نے فرط تقلید کی وجہ سے یہ الفاظ اپنی طرف سے زائد کر ڈالے ہیں (محصلہ اغاثۃ اللھفان ص ۲۹۷۔۲۹۸ ج ۱) مگر جمہور کا استدلال اس طرح نہیں کہ حضرت محمود بن لبیدؓ کی اس حدیث میں یہ لفظ موجود ہیں بلکہ ان کا استدلال بایں طور ہے کہ ابوداؤد ص ۳۰۶ ج ۱ کی روایت جو حضرت سھل بن سعدؓ سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں **فطلقھا ثلاث تطلیقات عند رسول الله** ﷺ **فانفذہ رسول الله** ﷺ کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ہی اسکو تین طلاقیں دے ڈالیں تو آپ نے ان کو نافذ کر دیا۔ اور پھر آگے عمدۃ الاثاث ہی میں ہے اگر دفعتاً تین طلاقیں دینا حرام قطعی اور غیر معتبر ہوتا۔ تو آپ ان کو جاری نہ فرماتے بلکہ ان کو رد کر دیتے مگر رد کا کوئی لفظ حدیث میں مذکور نہیں ہے (ملاحظہ ہو عمدۃ الاثاث ص ۲۸۔۲۹۔۵۶) اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت محمود بن لبیدؓ کی روایت میں تو یہ الفاظ نہیں ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو جاری فرمایا مگر اتنا ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے تین طلاقیں دی گئیں۔ اور حضرت سھل بن سعدؓ والی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو آپ نے ان کو نافذ فرمایا۔ تو ایک روایت میں تین طلاقوں اور ان کو نافذ کر دینے دونوں باتوں کا ذکر ہے اور ایک روایت میں۔ صرف تین طلاقوں کا ذکر ہے مگر نافذ کرنے کا ذکر نہیں اور نہ ہی رد کرنے کا ذکر ہے تو ایک روایت کے مفہوم کیوجہ سے دوسری روایت میں بھی اس مفہوم کو لے کر یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اسکو نافذ کیا اسلئے کہ ذخیرہ احادیث میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک حدیث کے مفہوم کیوجہ سے دوسری حدیث میں اس مفہوم کو لیا جاتا ہے۔ جبکہ رد کا قرینہ نہ ہو۔ اور یہاں رد کے کوئی الفاظ نہیں اسلئے حضرت محمود بن لبیدؓ والی روایت میں حضرت سھل بن سعدؓ والی روایت کا مفہوم لیا جائے گا۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ جس چیز کی تردید خود عمدۃ الاثاث میں موجود ہے وہ ہمارے گلے میں ڈال کر چیلنج کیا جا رہا ہے اور جو ہمارا استدلال ہے۔ اس سے آنکھیں بند کی جا رہی ہے۔ اگر جناب محمدی صاحب میں جرأت ہوتی تو ہمارے استدلال کا رد کرتے ہوئے روایت میں رد کے الفاظ بتاتے کہ چونکہ رد کے الفاظ موجود ہیں اسلئے اسمیں وہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا جو حضرت سھل بن سعدؓ کی روایت میں لیا گیا ہے۔ اب

بھی میدان موجود ہے۔ جناب محمدی صاحب طبع آزمائی کریں اور رد کے الفاظ دکھائیں تاکہ کہا جا سکے کہ عمدۃ الاثاث میں جو استدلال کیا گیا ہے وہ درست نہیں **فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار**۔ پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حضور علیہ السلام کا اکٹھی تین طلاقوں پر ناراض ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ تین طلاقیں ہی تھیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا **ایلعب بکتاب الله** کہ میرے ہوتے ہوئے کتاب اللہ کو کھیل بنایا جا رہا ہے۔ اسلئے کہ کتاب اللہ میں طلاق کا یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ تم ایسے انداز میں طلاق دو کہ تمہیں اگر پھر رجوع کرنا پڑے تو رجوع کر سکو۔ اور اس آدمی نے ایسے انداز میں طلاق دی تھی کہ رجوع کا حق ہی نہ رہا تو ناراضگی کی وجہ یہی تھی۔ اور اگر تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع جائز ہو جیسا کہ ایک طلاق کے بعد جائز ہے تو قرآن کریم کے حکم میں کیا تبدیلی آئی صرف الفاظ بدلے ہیں کہ ایک طلاق کی جگہ تین طلاقوں کے الفاظ استعمال کر دیئے۔ اور صرف الفاظ کی تبدیلی سے آپ کا اس قدر ناراض ہونا سمجھ سے باہر ہے۔ اس قدر ناراضگی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب الفاظ کے ساتھ حکم کی تبدیلی بھی ہو۔ اور اسی کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

مقالہ۔ صحیح بخاری شریف کے حوالے سے یہ روایت پیش کی جاتی ہے یہ ایک اور دلیل ہے کہ حضرت عویمر عجلانیؓ نے لعان کے بعد آنحضرت ﷺ کے سامنے اور آپ کی موجودگی میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور آپ نے سکوت فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ تینوں ہو گئیں

الجواب اگر واقعتاً آپ نے سکوت فرمایا ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تین اکٹھی طلاقیں دینا جائز ہیں جبکہ علماء احناف اور مصنف عمدۃ الاثاث تین طلاقیں اکٹھی دینے کو حرام قرار دیتے ہیں اگر نبی پاک ایک کام دیکھ کر خاموشی اختیار کرتے ہیں تو وہ کام ناجائز اور حرام کیسے ہو سکتا ہے اور اگر وہ کام ناجائز ہے جیسا کہ یقیناً ناجائز ہے تو سکوت کی بات اپنی طرف سے ہے جسکی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ آپ ﷺ خاموش نہیں رہے بلکہ فرمایا **حسابکما علی الله احد کما کاذب لا سبیل لك علیھا**۔ کہ اب آپ کا حساب اللہ ہی لے گا آپ دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے اب تیری بیوی پر کوئی اختیار نہیں صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۱ میں یہ وضاحت موجود ہے لیکن دیکھنے سے نظر آتی ہے۔ مسند احمد اور سنن ابی داؤد ص ۳۰۷ ج ۱

میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ وضاحت موجود ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اس واقعہ کے بعد (عربی عبارت کا ترجمہ) یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ نہ تو خاوند کے ذمہ اسکی رہائش ہے اور نہ ہی اسکی خوراک۔ کیونکہ نہ تو ان دونوں کے درمیان کوئی طلاق ہوئی ہے اور نہ ہی خاوند کی وفات ہوئی ہے۔ اب حضرت ابن عباس جو چشم دید گواہ ہیں وہ تو یہ کہتے ہیں کہ نبی پاک نے یہ فرمایا کہ چونکہ ان کے درمیان طلاق نہیں ہوئی اور خاوند کی وفات بھی نہیں۔ لہذا خاوند کے ذمہ کوئی خرچہ نہیں اور یہ کہہ رہے ہیں تینوں ہی ہو نگی کیا دلیل جب پارٹی بازی کا شکار ہو انسان تو ایسا کرنا پڑتا ہے یہ مجبوری ہے جی۔ اب نبی پاکؐ تو فرما رہے ہیں کہ آپ کو کوئی اختیار نہیں اور یہ جدائی بغیر طلاق ہے اور حضرت فرماتے ہیں سکوت فرمایا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ لعان کے بعد طلاق کے بغیر ہی میاں بیوی ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں انفذہ کا لفظ بھی آیا ہے لیکن جس سند کے ذریعہ یہ لفظ منقول ہے وہ سند ہی غیر معتبر ہے چونکہ یہ واقعاتی سندوں کے ذریعہ تقریباً تمام کتب احادیث میں منقول ہے کئی سندوں کے ذریعہ۔

لیکن کہیں بھی یہ لفظ موجود نہیں کہ آپ نے انہیں نافذ کیا ہو بلکہ صحیح سند سے مسند احمد اور ابی داؤد کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے کہ بغیر طلاق سے علیحدگی کی گئی۔ جناب امام زہریؒ سے یہ واقعہ کئی شاگردوں نے بیان کیا ہے مگر کوئی بھی قابل اعتبار راوی یہ لفظ بیان نہیں کرتا ہاں ایک راوی عیاض بن عبداللہ ان الفاظ کے اکیلے متفرد راوی ہیں اور وہ مجروح ہیں۔ امام یحیٰ بن معین نے ضعیف الحدیث جناب امام بخاری نے منکر الحدیث جناب امام ابو حاتم نے لیس بالقوی اور بعض نے فی حدیثہ شیئی کہ ان کی روایتوں میں کچھ دال کی طرح کالا کالا ہوا کرتا تھا۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۱۰ ہے۔

جواب مقالہ۔ اس بحث کو بھی عمدۃ الاثاث سے نقل کرتے ہوئے جناب محمدی صاحب نے انصاف سے کام نہیں لیا اسلئے کہ عمدۃ الاثاث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اسمیں فقہاء کا اختلاف ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا جائز ہے یا حرام ہے۔ جائز قرار دینے والوں میں امام شافعیؒ، امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ ہیں جبکہ احناف کے نزدیک حرام ہونے کے باوجود وہ تینوں ہی نافذ ہوتی ہیں اور حرام سے مراد حرام قطعی نہیں ہے بلکہ ایسا حرام ہے جیسا کہ حیض

کی حالت میں طلاق دینا اور پھر عمدۃ الاثاث میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جو حضرات ایک وقت تین طلاقوں کو جائز سمجھتے ہوئے بھی اس فعل کو مکروہ اور غیر مستحسن وغیرہ کہتے ہیں ان کیلئے جواز کی دلیل تو یہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اور اسکے غیر مستحسن اور مکروہ وغیرہ ہونے کیلئے وہ حضرات حضرت محمود بن لبیدؓ کی روایت پیش کرتے ہیں جسمیں ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے تین طلاقیں دیں تو آپ ناراض ہوئے۔ یہ خلاصہ ہے اس بحث کا جو عمدۃ الاثاث ص ۲۵ تا ۲۹ میں ہے۔ اس واضح بحث کے باوجود جناب محمدی صاحب کا اعتراض کرنا صرف سادہ لوح حواریوں کو طفل تسلی دینا ہے اس سے زیادہ اسکی کچھ حیثیت نہیں۔

جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ یہ سن کر خاموش نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ نے فرمایا تھا **حسابکما علی اللہ احد کما کاذب** تو عرض ہے کہ یہ ساری کلام تو ان کے لعان سے متعلق ہے اور **احد کما کاذب** کے الفاظ اسکی وضاحت کر رہے ہیں ان الفاظ کا تعلق اسکی جانب سے دی گئی تین طلاقوں سے نہیں ہے علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ الفاظ آپ ﷺ نے اس وقت فرمائے جبکہ وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ الفاظ آپ نے ان کو لعان سے بچانے کے لئے پہلے ہی فرمائے **والاول اظہر واولی بسیاق الکلام** (فتح الباری ص ۳۸۲ ج ۱۱) اور پہلا قول زیادہ ظاہر اور سیاق کلام کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے اور اسی طرح نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے بھی لکھا ہے (ملاحظہ ہو السراج الوھاج ص ۵۶۹ ج ۱)۔

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ جو چشم دید گواہ ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا چونکہ ان دونوں کے درمیان طلاق نہیں ہوئی اور خاوند کی وفات بھی نہیں ہوئی اسلئے خاوند کے ذمہ کوئی خرچہ نہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ تینوں ہی ہو گئیں کیا دلیل ہے؟ تو عرض ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ طلاق نہیں ہوئی بلکہ انھوں نے یہ فرمایا ہے کہ ان میاں بیوی کے درمیان جدائی طلاق کی وجہ سے نہیں ہوئی اور یہ تو اتفاقی بات ہے کہ وہ جدائی لعان کی وجہ سے ہوئی تھی طلاق کی وجہ سے نہ تھی۔

اشکال اور اس کا حل۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی

لعان کی وجہ سے ہوئی تو پھر طلاق کا کیا فائدہ ؟ اور فانفذہ رسول اللہ ﷺ کی صورت کیسے ہو گی ؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ لعان کرنے والے جب لعان کرلیں تو ان کے درمیان جدائی صرف لعان کی وجہ سے ہو جاتی ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف لعان کیوجہ سے ان کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے۔ اور احناف کا نظریہ یہ ہے کہ لعان کے بعد قاضی ان کے درمیان تفریق ڈالے گا تو تفریق ہو گی (تحفۃ الاحوذی ص ۲۲۴ ج ۲) اور امام عثمان بتیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ لعان کے بعد مرد کا طلاق دینا ضروری ہے (نیل الاوطار ۲۸۶ ص ج ۶) غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ **السیل الجرار** کے مصنف نے اس مسئلہ میں دلائل ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے ان لعان کرنے والوں کے درمیان طلاق سے پہلے ہی جدائی کا حکم دے دیا۔ تو حاکم کے جدائی ڈالنے کی وجہ سے جدائی ایسی ہو جاتی ہے کہ طلاق کی ضرورت نہیں رہتی۔ **فان وقع الطلاق فذالك تاكيد للفرقة ولا تتوقف الفرقة عليه** (السراج الوہاج ص ۵۶۹ ج ۱) پھر بھی اگر وہ لعان کرنے والا طلاق دیتا ہے۔ تو یہ جدائی کو مؤکد کر دے گی لیکن جدائی اس طلاق پر موقوف نہ ہو گی۔ جناب نواب صاحب کی اس عبارت سے حضرت ابن
عباسؓ اور حضرت سہل بن سعدؓ کی روایات کے مفہوم میں مطابقت ہو جاتی ہے کہ ان کے درمیان جدائی طلاق کی وجہ سے نہ تھی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور طلاق بے فائدہ نہیں بلکہ جدائی میں تاکید کا فائدہ دیتی ہے جیسا کہ حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت میں ہے کہ فانفذہ رسول اللہ ﷺ یعنی آپ ﷺ نے اس کو رد نہ کیا بلکہ اسکو نافذ کیا۔

لعان میں طلاق کی وجہ سے فرقت کی تاکید کا کیا فائدہ ہے ؟

اب رہا یہ اشکال کہ اس تاکید کا کیا فائدہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ لعان کی وجہ سے لعان کرنے والوں کے درمیان فرقت اس وقت تک رہتی ہے جب تک یہ لعان پر باقی رہیں۔ اگر مرد نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ میں نے اپنی عورت پر جھوٹا الزام لگایا تھا تو قاضی اس پر تہمت کی حد جاری کرے گا اگر اس کے بعد وہ

آدمی اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن اگر اس نے ایسے وقت میں لعان کے ساتھ تین طلاقیں بھی دی ہوں تو طلاقوں نے اس فرقت کو مؤکد کر دیا تو ایسی صورت میں بیشک وہ اپنے آپ کو جھٹلائے وہ اس عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ شرعی حلالہ کی صورت نہ پائی جائے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگرچہ لعان کی صورت میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی مگر طلاق بے فائدہ بھی نہیں ہے بلکہ اس جدائی میں تاکید کا فائدہ دیتی ہے ان مسائل کو سمجھنے کیلئے حضرات فقہاء کرام کی کتابوں کو عقیدت واحترام سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔

؎ ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار ۔ یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں تو عرض کہ حضرت سہل بن سعدؓ بھی تو اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں وہ فرماتے ہیں **حَضَرْتُ لعانهما عند رسول الله ﷺ وانا ابن خمس عشرة سنة** (ابو داؤد ص ۳۰۵ ج ۱) کہ جب حضور علیہ السلام کے سامنے ان میاں بیوی نے لعان کیا تو میں وہاں حاضر تھا اور اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی اور اس واقعہ کے چشم دید گواہ حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عویمرؓ نے حضور ﷺ کے سامنے اس عورت کو تین طلاقیں دیں **فانفذه رسول الله ﷺ** (ابو داؤد ص ۳۰۶ ج ۱، دار قطنی ص ۲۷۵ ج ۳، نیل الاوطار ص ۲۸۷ ج ۶) تو نبی کریم ﷺ نے اسکو نافذ کیا۔

جناب محمدی صاحب کا ان الفاظ پر اعتراض اور اسکا جواب۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ نقل کرنے میں ایک راوی عیاض بن عبد اللہ اکیلا اور متفرد ہے اور اس پر جرح ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر مقلد عالم جناب مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے عون المعبود ص ۲۴۲ ج ۲ میں اور التعلیق المغنی ص ۲۷۵ ج ۳ میں اس کے ضعف کا اشارہ تک نہیں کیا حالانکہ وہ اس قسم کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اور قاضی شوکانیؒ اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں **فی اسناده عیاض بن عبد الله قال فی التقریب فیه لین ولکنه قد اخرج له مسلم** (نیل الاوطار ص ۲۸۷ ج ۶) کہ اسکی سند میں عیاض بن عبد اللہ ہے اور التقریب میں ہے کہ اس میں کچھ کمزوری ہے لیکن امام مسلمؒ نے اس کی

روایت کو لیا ہے۔ جناب محمدی صاحب نے جو کلمات نقل کئے ہیں ان کے ساتھ ان کو کم از کم یہ بھی دیکھ لینا چاہئے تھا کہ یہ مسلم شریف کا راوی ہے اسکی سند کو سرے سے غیر معتبر قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

مقالہ۔ ایک دلیل کے طور پر یہ روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حالت حیض اپنی بیوی کو طلاق دی۔ پھر ارادہ کیا کہ باقی طلاقیں بھی دے دوں۔ اس روایت کے آخر میں ہے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ **ارایت لو انی طلقتها ثلاثا** کہ اگر میں اسے تینوں طلاقیں ہی دے دیتا **کان یحل لی ان اراجعها** میرے لئے اس سے رجوع کرنا جائز تھا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا نہیں۔ وہ تیرے لئے حرام ہو جاتی۔ اور تینوں طلاقیں اکٹھی دینا گناہ ہوتا ہے۔ پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا قصہ طلاق کئی سندوں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث میں کتب صحاح میں مذکور ہے لیکن کہیں بھی ایسے الفاظ مروی نہیں جن سے یہ دلیل بنائی جا سکتی ہو اور کتب اصول حدیث میں یہ بات مسلم ہے کہ اگر کسی روایت کے مختلف طرق صحیح بھی ہوں لیکن ان میں کچھ فرق ہو تو اسی حدیث کو ترجیح ہو گی جو صحیح بخاری اور مسلم دونوں میں ہو۔ اب عجیب بات ہے کہ جہاں سند صحیح ہے وہاں یہ بات کوئی نہیں اور جہاں یہ بات ہے وہاں سند صحیح نہیں ملاحظہ فرماویں۔ مصنف عمدہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی معلیٰ بن منصور کو علامہ ذہبیؒ **الحافظ الفقیه** اور **احد الائمة الاعلام** لکھتے ہیں یعنی کہ حافظ فقیہ اور ایک عالم تھے لیکن یہ نہیں بتایا کہ جب جناب امام احمد سے پوچھا گیا کہ آپ ان سے روایت کیوں نہیں لیتے تو انہوں نے فرمایا **کان یکذب** کہ وہ حدیثیں بیان کرتے ہوئے جھوٹ بولا کرتا تھا اس لئے میں ان سے روایتیں قبول نہیں کرتا یہ اس کا راوی ھے۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ اگر کسی روایت کے مختلف طرق صحیح بھی ہوں لیکن ان میں کچھ فرق ہو تو اسی حدیث کو ترجیح ہو گی جو بخاری اور مسلم دونوں میں ہو الخ۔

یہ جناب محمدی صاحب کی فن حدیث سے بے خبری کی علامت ہے اسلئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جتنی روایت بخاری اور مسلم نے ذکر کر دی اتنی ہی معتبر ہو گی باقی نہیں اسلئے کہ بہت سی احادیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے مگر ان میں بعض الفاظ ذکر نہیں کر سکے

حالانکہ دیگر صحیح اسناد سے وہ الفاظ روایت میں ثابت ہوتے ہیں اور اسی کی نشاندہی کیلئے تو حضرات محدثین کرام نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن کو مستخرجات کہا جاتا ہے۔ اگر جناب محمدی صاحب کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر مستخرجات کی حیثیت ہی نہیں رہتی اور نہ ہی زیادت ثقہ کا اصول باقی رہتا ہے۔ جو محمدی صاحب نے کہا ہے وہ قطعاً فن حدیث کا اصول نہیں ہے ان کو مغالطہ ہوا ہے یہ بات ترجیح سے متعلق ہے اور یہ مسئلہ ہی الگ ہے۔

جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ معلیٰ بن منصور کے بارہ میں امام احمدؒ نے کہا ہے **کان یکذب** الخ۔ تو عرض ہے کہ جناب محمد امین محمدی صاحب کو اگر کسی اور پر اعتماد نہیں تو کم از کم اپنے اکابر پر تو اعتماد کریں۔ اور یہ بات کہنے سے پہلے کاش وہ اپنے محدث مبارکپوری صاحبؒ سے ہی اسکی حقیقت پوچھ لیتے۔ وہ فرماتے ہیں **معلی بن منصور الرازی نزیل بغداد ثقة سنی فقیه طلب للقضاء فامتنع اخطأ من زعم ان احمد رماه بالکذب** (تحفۃ الاحوذی ص ۵۹ ج ۲) کہ معلیٰ بن منصور جو بعد میں بغداد میں آباد ہوا ثقہ اور سنی اور فقیہ ہے۔ اسکو قضاء قبول کرنے کا کہا گیا مگر اس نے نہ مانا۔ اور جو آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ امام احمدؒ نے اسکی جھوٹ کی جانب نسبت کی ہے (یعنی اسکو جھوٹا کہا ہے) تو وہ آدمی غلطی پر ہے۔ جناب محدث مبارکپوری صاحبؒ کے اس واضح بیان کے بعد جناب محمدی صاحب کے اعتراض کی کچھ بھی حیثیت نہیں رہتی۔

مقالہ۔ اس روایت کے دوسرے متکلم فیہ راوی ہیں شعیب بن رزیق، انہیں محدثین نے نہ صرف یہ کہ ضعیف اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے بلکہ خاص طور پر ان کی وہ روایات جو عطاء خراسانی سے بیان کریں قطعاً معتبر نہیں تہذیب التہذیب میزان الاعتدال۔ امام ابن حزم محلی میں فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی وہ روایت جس میں یہ بیان ہے انتہائی ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ وہ رزیق بن شعیب یا شعیب بن رزیق سے ہے اور وہ ضعیف ہے اسکے تیسرے متکلم فیہ راوی رزیق کے شعیب کے استاد عطاء خراسانی ہیں جن کی پوزیشن یہ ہے کہ امام سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں نے جو حدیثیں بیان نہیں کی ہو تیں میرا نام لے کر وہ ویسے ہی بیان کرتا رہتا ہے یہ اس کی عادت مبارک ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق میں نے امام بخاری سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا **ما اعرف لمالك رجل**

یروی عنه یستحق ان یترك الحدیث غیر عطاء الخراسانی قلت ماشانه قال عامة احادیثه مقلوبة۔ کہ میں نے جناب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس امام محدث سے جناب امام مالک روایت لے لیں اسکی حدیث کو نہیں چھوڑنا چاہئے لیکن یہ ان میں ایسا شخص ہے کہ جس کی حدیث قبول نہیں ہوگی میں نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگے کہ ان کی اکثر حدیثیں الٹی بدلی ہوتی ہیں الٹی بگڑی۔ یہ حدیثوں میں اپنی مرضی سے تبدیلیاں کر لیتے ہیں۔ امام ابن ھمام فرماتے ہیں کہ ان کا حافظہ ردی، عموماً غلطی کرتے تھے اسلئے ان کی بیان کردہ روایات سے استدلال درست نہیں ہے۔ میزان الاعتدال ص ۴۷ ج ۳، تہذیب التہذیب ص ۲۱۵ ج ۷ یہ اس روایت کی حقیقت ہے جس پر بڑا ناز تھا۔

جواب مقالہ۔ اگرچہ شعیب بن رزیق اور عطاء خراسانی پر بعض محدثین نے جرح کی ہے مگر انکی توثیق بھی کی گئی ہے اور توثیق کے کلمات عمدۃ الاثاث میں نقل کئے گئے ہیں اس کے باوجود عمدۃ الاثاث میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر بالفرض اس روایت میں کچھ ضعف بھی ہو تو جمہور ائمہ کے تعامل سے یہ حدیث پھر صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اور اس پر علامہ ابن حزمؒ سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی مرسل روایت آئے یا کوئی ایسی روایت ہو جس کے رواۃ میں سے کسی میں ضعف ہو لیکن حدیث کو لینے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اجماع واقع ہو چکا ہو تو ہم یقیناً یہ جان لیں گے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں ہے (ملاحظہ ہو عمدۃ الاثاث ص ۵۹)

اسی طرح قاضی شوکانیؒ **اختلاف المتبایعین** کے تحت ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **قال الخطابی هذاحدیث قدا صطلح الفقهاء علی قبوله وذالك یدل علی ان له اصلاوان كان فی اسناده مقال كما اصطلحوا علی قبول لا صیة لوارث واسناده فیه مافیه** (نیل الاوطار ص ۲۲۸ ج ۵) کہ امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کے قبول کرنے پر فقہاء متفق ہیں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسکی اصل ہے۔ اگرچہ اسکی سند میں کمزوری ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے لاوصیۃ لوارث والی روایت کو لے کر اس پر احکام کا مدار رکھا ہے حالانکہ اسکی سند میں جو کمزوریاں ہیں ان کا انکار نہیں ہو سکتا۔ گویا قاضی شوکانیؒ نے امام خطابیؒ کے اس نظریہ کی تائید کی ہے کہ جس روایت

پر فقہاء نے احکام کا مدار رکھا ہو اگرچہ اسکی سند کمزور ہو تب بھی اس کو قبول کیا جائے گا۔ اسی کی روشنی میں دیکھیں کہ حضرت ابن عمرؓ والی روایت کے مطابق تو محدثین وفقہاء سب کا عمل ہے سوائے گنتی کے چند افراد کے جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اسلئے قواعد کی روشنی میں یہ حدیث قابل قبول ہے۔

جناب محمدی صاحب نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ امام ترمذیؒ نے جب امام بخاریؒ سے عطاء خراسانی کے بارہ میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کی اکثر حدیثیں الٹی بدلی ہوتی ہیں اور محمدی صاحب آگے فرماتے ہیں اسلئے ان کی بیان کردہ روایات سے استدلال درست نہیں ہے۔ الخ تو سوال یہ ہے کہ کیا امام ترمذیؒ نے اپنے استاد امام بخاریؒ کی اس تحقیق کو قبول کر لیا تھا؟ اگر قبول کیا ہوتا تو پھر اسکی سند سے اپنی جامع میں روایات نہ لیتے حالانکہ انھوں نے شعیب بن رزیق عن عطاء الخراسانی عن عطاء بن ابی رباح کی سند سے نہ صرف روایت لی ہے بلکہ اسکو حسن کہا ہے اور یہ بھی فرمایا لانعرفہ الا من حدیث شعیب بن رزیق کہ ہمیں صرف شعیب بن رزیق کی سند سے ہی یہ روایت ملی ہے۔ اسی لئے اسکو غریب کہا ہے۔ اور امام ترمذیؒ کے اس حسن غریب کہنے پر غیر مقلد محدث مبارکپوری صاحبؒ نے بھی کسی قسم کا کوئی رد نہیں کیا جو ان کے تسلیم کرنے پر دلالت کرتا ہے (ملاحظہ ہو ترمذی مع التحفۃ الاحوذی ص ۷ ج ۳) اس سے واضح ہوتا ہے کہ سند ساقط الاعتبار نہیں ہے جیسا کہ جناب محمدی صاحب نے سمجھ لیا ہے۔ بلکہ ان راویوں پر بعض محدثین کی جرح کے باوجود یہ سند قابل قبول ہے۔

جناب محمدی صاحب کا کسی حنفی مولوی صاحب سے تحریری طور پر سوال وجواب کا سلسلہ۔

اس کے بعد جناب محمدی صاحب نے کسی حنفی مولوی صاحب سے اپنے خط وکتابت کے ذریعہ سوال وجواب کا تذکرہ کیا ہے اور حنفی مولوی صاحب کی طویل عبارت پیش کر کے آگے اس کے جوابات دیئے ہیں۔ ضرورت تو نہیں تھی کہ اس حصہ پر کچھ کہا جاتا مگر چونکہ مقالہ والی کیسٹوں میں اسکو بھی تقریر کا حصہ بنایا گیا ہے اسلئے اختصار سے اس کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔ جناب محمدی صاحب اس حنفی مولوی صاحب سے اپنے خط وکتابت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس دلیل کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس پر عمدۃ الاثاث کے مصنف ہی نہیں بلکہ سارے احناف کو بڑا ناز ہے اور اسکی وجہ سے آج سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل نصرت العلوم

سے نصر العلوم میں چیلنج کے انداز میں ایک مراسلہ بھیجا گیا وہاں سے یہاں آیا اور اس پر نظر کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ حنفی کی تحریر ہے اب کوئی محمدی صاحب اسکا جواب دے، الحمد للہ محمدی کا جواب ڈیڑھ سال سے حنفی صاحب کے پاس موجود ہے تاحال اس کا جواب ممکن نہیں ہوا۔ یہ طلاق ثلاثہ کے متعلق اصل میں ایک سوال ہے۔ اس پر جواب لکھ کر چند اعتراض کئے اور پھر میرے پاس بھیجا۔ اور لکھا ہے جی حنفی کا جواب .... یہ جواب چند نکات پر مشتمل ہے ذرا غور سے ہر ہر نکتہ کو ملاحظہ کریں۔

نمبر 1۔ نکاح ایسی نعمت ہے جسکی وجہ سے غیر عورت زندگی بھر کیلئے شریک حیات بن جاتی ہے اسکے لئے رسوں سے باندھنے یا ویلڈنگ سے جوڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو جائے تو عورت حلال ہو جاتی ہے۔ مرد کو چاہیے کہ اس نعمت کی قدر کرے اور وہ عورت جو اپنا گھر بار چھوڑ کر اسکی ہو رہی ہے اسکی قدر کرے

نمبر 2۔ نکاح کے بعد عورت کا اختیار ختم اور نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ رہ جاتی ہے۔ خاوند کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے وہ جسکے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ دل کی نیت اور ارادہ سے طلاق نہیں۔ ہاں! زبان سے یا لکھ کر دے تو سنجیدگی سے کہے یا ہنسی سے تو طلاق واقع ہو جائیگی، اگر خاوند ہی نہیں، خاوند ہی نکاح کی گرہ چھوڑ دے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے جوڑ نہیں سکتی، نکاح کی گرہ کسی مفتی یا مولوی کے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔

نمبر 3۔ خاوند ایک طلاق دے تو ایک، تین دے تو تین واقع ہونگی کیونکہ نکاح کی گرہ اسکے ہاتھ ہے، اس نے اپنے اوپر خود سختی کی ہے ارشاد نبویؐ ہے "اپنے اوپر سختی نہ کرو اللہ بھی تم پر سختی کرے گا۔

نمبر 4۔ نکاح زندگی بھر کیلئے کرنا چاہئے اگر ناچاکی ہو جائے تو قرآن کریم کے حکم کے مطابق چار مرحلے ہیں۔ نصیحت کرو، بستر جدا کرو، مناسب سرزنش جانبین سے ایک ایک حکم مقرر کرنا، اگر ان دونوں کی نیت اصلاح کی ہو تو اللہ تعالیٰ الفت ڈال دے گا، پھر اگر طلاق ہی دینی ہے جس طہر میں ہمبستری نہ کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے اور بس۔ تاکہ اگر رجوع کرنا پڑے تو گنجائش موجود ہو قرآن پاک سورۃ طلاق کی ابتدائی آیات کی علماء نے یہی تفسیر کی ہے۔ تین طلاق یکدم دینا ناجائز ہیں۔ مگر واقع تو تین ہی ہوں گی یہ تو نہیں کہ خدا کی نافرمانی

بھی کرے اور کھلی چھٹی بھی رہے۔ مذکورہ صورت میں تین طلاقیں لکھ کر دیں، اس نیت سے دیں کہ بیوی سے ہمیشہ کیلئے جان چھوٹ جائے تو بیوی کو حرام بھی سمجھنے لگا۔ اب ہم سے کیا پوچھتا ہے۔ طلاق دینے سے پہلے شریعت کا مسئلہ معلوم کر لیتا تو شرمندگی نہ ہوتی۔ اب تو استغفار کرے اور دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اور کوئی بہتر رشتہ عطا فرمادے اللہ کے ہاں کچھ شکل نہیں۔

نمبر 5۔ طلاق کے لئے نہ گواہ ضروری ہیں نہ عورت کی اجازت یا اطلاع بلکہ خاوند کی طرف سے طلاق کافی ہے اگر خاوند کی دی ہوئیں تین نافذ نہیں تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ نہیں جبکہ ارشاد ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح........

نمبر 6۔ طلاق تو ہنسی اور دل لگی سے بھی واقع ہو جاتی ہے ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس نے طلاق دی ہیں اس نے سو طلاق دی، فرمایا تین سے تو بیوی جدا ہو گئی بقیہ ۹۷ طلاقیں قیامت کے دن تجھ پر بوجھ بن گئیں یہ بھی یاد رہے کہ تین طلاقیں عام طور پر وہی ہوتی ہیں جو ان کو تین کہتا ہے عام طور پر وہی دیتا ہے جو ان کو تین کہتا ہے جو تین کو تین نہیں مانتا وہ یا تو تین دیتا نہیں یا پرواہ نہیں کرتا حالانکہ آپ ﷺ نے تین طلاق دینے والے پر سخت ناراضگی فرمائی۔

نمبر 7۔ ابلیس کے ہاں سب سے قریبی وہ شیطان ہے جو صبح کو جاتا ہے اور شام کو آکر یہ کہتا ہے ماترکتہ حتی فرقت بینہ وبین امرأتہ میں نے مرد کو نہ چھوڑا حتی کہ اس میں اور اسکی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی اور تین طلاق سے ہی مکمل تفریق ہوتی ہے اور اسکا یہاں ذکر ہے کیونکہ شیطان صبح سے شام تک یہ کاروائی مکمل کر لیتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ جس سے شیطان بے حد خوش اور خدا اور رسول سخت ناراض، اگر تین طلاقیں واقع نہیں تو شیطان کیوں خوش ہوتا ہے، نکاح اور آزادی کے واقع ہونے سے تمام احکام آجاتے ہیں تو جس طرح نکاح کرنے سے فوری طور پر کامل حلت آجاتی ہے قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ طلاق سے فوری طور پر کامل حرمت ثابت ہو جاتی یہ تو مولا کا کرم ہے۔ کہ نکاح سے تو فوراً حلال کر دیا اور طلاق کے تین مرحلے بنا دیئے اب اگر کوئی شخص اللہ کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ نہ اٹھائے تو شریعت کا کیا قصور، تین

طلاق کوئی تین ملک یا کوئی تین بر اعظم تو نہیں جن کو طے کرنے کیلئے مہینے درکار ہوں۔ تین طلاق تو ایک کامل موثر طلاق کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ طلاق بتہ یوں کہنا انت طالق البتہ تجھے پکی طلاق کے ساتھ تین کی نیت کرے تو تین واقع ہونگی حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی آنحضرت ﷺ نے قسم دے کر پوچھا تو عرض کیا کہ مَیں نے تو ایک ہی کا ارادہ کیا تھا امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اسکی دلیل ہے کہ اگر وہ تین کا ارادہ کرتا تو تین ہی واقع ہو جاتیں ورنہ اس سے قسم لینے کا کوئی معنی نہیں مذکورہ صورت میں مرد طلاق دینے کا اہل ہے عورت محل طلاق ہے رکاوٹ کونسی ہے۔ تینوں طلاقوں کے بعد عورت پہلے خاوند کیلئے تب حلال ہوگی جب عدت پوری کرے۔ کسی اور سے نکاح کرے وہ ہمبستری کرے پھر کسی وجہ سے طلاق ہو جائے یا وہ دنیا سے چلا جائے اور اسکی عدت پوری ہو جائے اب اگر یہ نئے سرے کے ساتھ عقد کریں نیا حق مہر باندھ کر تو جائز ہے ورنہ پہلے خاوند کیلئے حلال نہیں فان **طلقھا فلا تحل لہ**....... یہ آیت لکھی ہے اب کہتے ہیں مرد نے تین طلاقیں دے دیں عورت نے دوسری جگہ نکاح کر لیا۔ پھر دوسرے خاوند نے طلاق دے دی یہ ترجمہ لکھا ہوا ہے۔

نمبر **10**۔ یہ تمام دلائل قرآن وحدیث اور عقل کی تائید سے مزین ہیں یہ کچھ دلائل ساتھ دیئے ہوئے ہیں صفحات۔ تمام دلائل کا احاطہ تو ہمارا بس نہیں کچھ لوگ یہ تین طلاق کو ایک بتاتے ہیں ان کے پاس قرآن پاک کی کوئی آیہ۔ اور آنحضرت ﷺ کی کوئی قوی حدیث نہیں اور نہ ہی عہدِ رسالت کا کوئی واقعہ صحیح روایت سے ثابت کر سکتے ہیں جس میں یہ ثابت ہو کہ کسی صحابی نے بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی نیت سے تین طلاقیں دی ہوں اور پھر تین کو تین بھی سمجھنے لگا ہو۔ لیکن نبی پاک ﷺ نے انکو ایک قرار دیا ہو مرد کو خوشخبری دی کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں اور ہوتا بھی کیسے ہے؟ ایک ایک ہے تین تین ہیں۔ ایک تین نہیں تین ایک نہیں۔ فریقین کو چاہیے کہ اس حادثہ پر صبر کریں اور اللہ کے وعدہ پر یقین رکھیں اللہ کہتا ہے سب کا ہم کام بہتر کریں گے۔ **انتھی جواب الحنفی**.... آپنے حنفی کا جواب ملاحظہ فرمایا مہربانی فرما کر اس کی ایک ایک شق پر قرآن وحدیث سے تائیداً یا تردیداً کلام فرماویں۔ مجمل یا مختصر جواب ناکافی تصور ہوگا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ شرعی طور پر تین طلاقیں کیا ہیں انکے واقع ہونیکی کیا صورت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے پاس الحمد للہ سوال آتے رہتے ہیں۔ طلاق کے متعلق اکثر سوال حنفی حضرات کے ہی ہوتے ہیں۔ اور قرآن وسنت سے مزین جواب پاکر نہ صرف قبول کر لیتے ہیں بلکہ وہ کبھی مستقل حنفیت سے تائب ہو جاتے ہیں لیکن یہ سوال کچھ عجیب ہے جو سوال کی بجائے جواب زیادہ ہے کیونکہ بنیادی طور پر استفتاء ہے لہٰذا جواب حاضر خدمت ہے۔ سوال میں مذکور لفظ علماء دین سے مراد اگر دین اسلام ہے تو جواب دینے والے کو حنفی شافعی مالکی حنبلی کی فرقہ بندی میں الجھے بغیر خالص اسلامی احکام بیان کرنے چاہییں۔ مذکور جواب چونکہ ایک فرقہ کا جواب ہے اسلئے یہ طلاق کے متعلق اسلامی ہدایات واحکام کی روح کے منافی ہے۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب نے کسی حنفی مولوی صاحب کے ساتھ اپنے خط وکتابت کا تذکرہ ایسے مبہم انداز میں کیا کہ ان مولوی صاحب کا نام تک نہیں لیا بلکہ یوں کہا کہ نصرۃ العلوم سے نصر العلوم میں چیلنج کے انداز میں ایک مراسلہ بھیجا گیا الخ۔ حالانکہ انکا حق تھا کہ وہ اس مولوی صاحب کا نام ذکر کرتے اسلئے کہ وہ مراسلہ نصرۃ العلوم ادارہ کی طرف سے یقیناً نہیں تھا اسلئے کہ ادارہ کی ذمہ دار شخصیات حضرت مہتمم صاحب اور حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجدہم ہی ہیں ان میں سے کسی نے مراسلہ نہیں بھیجا باقی رہا مدرسین اور طلبہ کا کسی کے ساتھ اپنی ذاتی حیثیت میں مناظرہ ومباحثہ کرنا یا بذریعہ تحریر سوال وجواب کا تبادلہ

کرنا تو یہ ان کا ذاتی فعل ہوتا ہے ادارہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی ادارہ اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور اس بات کو یقیناً جناب محمدی صاب بھی سمجھتے ہوں گے اسکے باوجود مبہم الفاظ میں اس کا تذکرہ کرنا اور جس مولوی صاحب کے ساتھ ان کی خط و کتابت ہوئی اسکا نام نہ لینا ظاہر کرتا ہے کہ وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ تحریر نصرۃ العلوم ادارہ کی طرف سے تھی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ پھر جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ سوال مذکور میں اگر لفظ علماء دین سے مراد دین اسلام ہے تو جواب دینے والے کو حنفی شافعیؒ مالکی حنبلیؒ فرقہ میں پڑنے کے بجائے خالص اسلامی احکام بیان کرنے چاہییں۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ عموماً غیر مقلدین علماءبظاہر یہی تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حنفی مالکی وغیرہ فرقے ہیں اور ہم کسی فرقہ اور مسلک کے نہیں بلکہ خالص حدیث کے مطابق نظریہ رکھنے والے ہیں حالانکہ در حقیقت یہ حضرات خود کو حنفی مالکی وغیرہ کی طرح مستقل مسلک اور فرقہ سمجھتے ہیں جن پر ان کی تقریریں اور تحریریں اور ان کا طرز عمل شاہد ہے۔ جس پر کسی دلیل دینے کی ضرورت تو نہیں مگر عوام الناس کی توجہ کیلئے عرض ہے کہ ان حضرات کے رسائل دیکھیں تو نمایاں طور پر ابتدائی صفحات پر لکھا ہوا پائیں گے مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان الاعتصام جماعت اھلحدیث کا خصوصی ترجمان تنظیم اہلحدیث اور اسی طرح ان کی عبارات میں بھی ان کی حیثیت ایک مستقل فرقہ کی حیثیت سے اجاگر ہوتی ہے قبروں پر میلے وغیرہ سے متعلق سوال ہوا تو غیر مقلد عالم کی طرف سے جواب دیا گیا اصل حنفی مذہب اور اہلحدیث بلکہ جملہ مذاہب اہل سنت ایسے مسائل میں متفق ہیں (فتاوی ثنائیہ ص ۶۲ ج ۲) غور فرمائیں کہ حنفی مذہب کی طرح اہل حدیث کو بھی مذہب قرار دیا گیا ہے اسی طرح ایک اور مقام میں لکھا ہے اور حنفی مذہب کے اس مسئلہ کو غلط جان کر ترک کر کے اہلحدیث کے مسلک کے مطابق قرآن و حدیث کے اس مسئلہ کو مان لو (فتاوی ثنائیہ ص ۲۵۳ ج ۲) اور ایک مقام پر لکھا ہے امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے اور آگے لکھا ہے پس مذہب اہل حدیث کی بنا پر ماننا پڑے گا (فتاوی اہلحدیث ص ۱۲۹ ج ۳) اس طرح کی بے شمار عبارتیں ان کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ انکے نزدیک اہلحدیث بھی حنفی مالکی وغیرہ کی طرح مذہب اور مسلک ہے ظاہر لفظ کے لحاظ سے اہلحدیث ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو عامل بالحدیث یا فن حدیث میں

سترس رکھنے والا ہو مگر ایک طائفہ نے اس پر قبضہ جمالیا۔ اسی وجہ سے غیر مقلد عالم مولانا
ف الدین دہلوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ قبضہ اس طرح ہے جس طرح بریلوی لوگوں
ے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت مشہور کر رکھا ہے (ملاحظہ ہو فتاوی
ائیہ ص ۲۲۰ ج ۲) اسلئے ہماری گزارش ہے کہ جب اہلحدیث کہلوانے والے بھی ایک فرقہ
ی حیثیت میں ہیں تو پھر دوسروں کو حنفی مالکی وغیرہ کا طعن کس وجہ سے دیتے ہیں؟

قالہ۔ چونکہ سوال میں پوچھا گیا ہے کہ مذکورہ صورت میں لڑکی اس خاوند کے پاس رہ سکتی ہے یا نہیں لہٰذا مسئلہ کی حقیقت پیش خدمت ہے اور حنفی کے جواب کی غلطیاں اور ٹھوکریں عد میں ذکر ہوں گی۔ مذکورہ صورت میں اگر یہ طلاق اس میاں بیوی کی زندگی کا پہلا واقعہ ہے تو یہ لڑکی اس خاوند کے پاس رہ سکتی ہے کیونکہ ایک مرتبہ طلاق دینے سے صرف ایک طلاق ہی واقع ہوتی ہے چاہے لفظ طلاق تین یا زیادہ مرتبہ ہی کیوں نہ لکھے یا بولے جائیں کیونکہ اسلام میں تین طلاقوں کا کوئی تصور نہیں۔ طلاق ایک ہی ہے جو زندگی میں تین بار دی جا سکتی ہے تین دفعہ ہونے کی وجہ سے تین ہیں۔ طلاقیں تین نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الطلاق مرتان یعنی طلاق دو مرتبہ ہے رجوع والی یکے بعد دیگرے یہ نہیں کہا کہ طلاقیں دو ہیں یا تین ہیں اب رہی بات یہ کہ زندگی میں انسان کو تین بار طلاق دینے کا جو اختیار ہے کیا یہ اختیار ایک دم ختم ہو جائیگا اور کیا انسان کے لئے یہ اختیار اس انداز میں استعمال کرنا جائز ہے تو اس بات پر اکثر علماء فقہاء امت جناب امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ متفق ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھے دینا ناجائز ہے، حرام ہے، بدعت ہے غلط ہے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ نے اسے کتاب اللہ کے ساتھ مذاق قرار دیا ہے۔ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں اکٹھی تین طلاقیں دیں تو آپ نے انتہائی غصہ میں فرمایا ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھر کم۔ آپ کے غصہ کو دیکھ کر ایک شخص نے کہا کہ ہم اسے قتل نہ کر دیں۔ یہ بات حنفی صاحب اپنے جواب نمبر چار اور چھ کے ضمن میں تسلیم کر چکے ہیں رہی بات یہ کہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں دے دیتا ہے تو واقع کتنی ہونگی تین یا ایک۔ تو حنفی صاحب نے اپنے جواب کے چار نمبر میں فرمایا ہے کہ تین طلاقیں یک دم دینا ناجائز ہیں مگر واقع تو تین ہی ہونگی اب اس کے متعلق بندہ کی گزارش یہ ہے کہ حنفی صاحب نے نمبر دس میں فرمایا جو لوگ تین طلاق کو

ایک مانتے ہیں ان کے پاس قرآن پاک کی کوئی آیت یا آنحضرت ﷺ کی کوئی قوی حدیث نہیں تو حنفی صاحب سے پوچھیں کہ آپ نے جو بات لکھی ہے کہ تین طلاقیں یک دم دینا ناجائز ہے مگر واقع تو تین ہی ہو جائیں گی اسکی دلیل کے طور پر آپ نے کونسی آیت پیش کی ہے یا کونسی قوی حدیث پیش کی ہے اگر موجود ہو تو اب بھی پیش کرنے کی اجازت ہے اور سوال کرو کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں کیا فجر کے وقت سارے دن کی پانچ نمازیں اکٹھی پڑھنا جائز ہے۔ اور اگر نہیں تو کوئی شخص فجر کے وقت ہی تمام نمازیں پڑھ لے تو ساری ہو جائیں گی یا صرف ایک ہی ہو گی اب دیکھنا کیا جواب آتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا صحیح مسلم جلد اول اس کا صفحہ وہی ہے جو تذکرہ پہلے ہوا ہے یہ تفصیل ہے آگے اس کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں اسلئے ذکر نہیں کرتا۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب نے فرمایا کہ حنفی صاحب نے نمبر دس میں فرمایا ہے کہ جو لوگ تین طلاقوں کو ایک مانتے ہیں ان کے پاس قرآن پاک کی کوئی آیت یا آنحضرت ﷺ کی کوئی قوی حدیث نہیں الخ۔ اس کے جواب میں جناب محمدی کو اپنے نظریہ پر کوئی آیت یا صحیح سند کے ساتھ کوئی حدیث پیش کر کے حنفی صاحب کو جواب دینا چاہیے تھا مگر وہ ٹالنے کے انداز میں یوں فرمانے لگ گئے کہ حنفی صاحب سے پوچھیں کہ انھوں نے جو بات لکھی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ناجائز ہے مگر واقع تو تین ہی ہو جائیں گی اسکی دلیل کے طور پر آپ نے کونسی آیت پیش کی ہے الخ جناب محمدی صاحب کا یہ انداز بتاتا ہے کہ وہ خود قاصر ہیں اس لئے جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی وہ دوسرے پر ڈال کر جان بچانے کی کوشش کرنے لگے تو جناب محمدی صاحب سے عرض ہے کہ قرآن کریم میں شرعی طلاق کا جو طریق بتایا گیا ہے اس کے خلاف کرنے والے کو **فقد ظلم نفسه** کہا گیا ہے۔ اور ظلم کو کوئی بھی جائز نہیں کہتا بلکہ وہ ناجائز ہی ہو گا اور پھر وہ روایات بھی ہم نے پہلے بیان کی ہیں جن میں آتا ہے کہ اکٹھی تین طلاقوں کی وجہ سے آپ ﷺ ناراض ہوئے اور آپ جائز کاموں پر ناراض نہیں ہوتے تھے بلکہ ناجائز کے ارتکاب پر ہی ناراض ہوتے تھے اسلئے اکٹھی تین طلاقوں کا ناجائز ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہوا اور چونکہ **الطلاق مرتان** کے بعد **فان طلقها** ہے کہ تیسری

طلاق بھی دے دی تو شرعی حلالہ کے بغیر یہ عورت اس مرد کیلئے حرام ہوتی ہے اور اس میں یہ استثناء نہیں ہے کہ غیر شرعی طریقہ سے طلاق دینے والے کا حکم اس سے علیحدہ ہے۔ بلکہ عام ہے خواہ شرعی طریقہ سے ہو یا غیر شرعی طریقہ سے ہو حکم ایک ہی ہو گا اور پھر وہ روایات ہم نے ذکر کیں جن میں یہ الفاظ ہیں کہ تین طلاقوں کو نبی کریم ﷺ نے نافذ فرمایا اسلئے تین طلاقوں کا تین ہی ہونا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ حنفی صاحب پر جناب محمدی صاحب نے جو ذمہ داری ڈالی تھی ہم نے اس کو پورا کر دیا ہے تین کا ناجائز ہونا بھی قرآن وحدیث سے ثابت کیا اور تین کا تین ہی ہونا بھی قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے۔ اور حنفی صاحب نے محمدی صاحب پر جو ذمہ داری ڈالی تھی کہ قرآن وحدیث سے تین طلاقوں کا ایک ہونے کی کوئی آیت یا صریح حدیث پیش کریں تو وہ بدستور جناب محمدی صاحب پر ادھار ہے۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی دن بھر کی نمازیں صبح ہی پڑھ لیتا ہے تو کیا وہ ہو جائیں گی یا صرف ایک ہی ہو گی تو یہ جناب محمدی صاحب کی کھلی جہالت یا تجاہل عارفانہ ہے اسلئے کہ نمازوں کو اپنے اپنے اوقات میں پڑھنے کا حکم قرآن کریم میں ہے۔ **ان الصلوة كانت على المومنين كتابا موقوتا** (پارہ نمبر ۵ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۳) بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقرر وقتوں میں۔ نمازوں کے اوقات ان کے لئے اسباب ہیں کہ اس سے پہلے نماز جائز نہیں بلکہ فاسد ہے اور غیر معتبر ہے۔ جبکہ طلاق کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے کہ اس وقت سے اس کو مقدم کرنا غیر معتبر ہو۔ اسلئے جناب محمدی صاحب کا طلاق کو نمازوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پھر واضح رہے کہ احناف کے نزدیک تو عرفہ میں عصر کی نماز کو مقدم کرنے کے علاوہ کسی بھی نماز کو اس کے وقت سے مقدم کرنا جائز نہیں ہے جبکہ غیر مقلدین حضرات کے نزدیک فٹ بال میچ کی وجہ سے نماز کو وقت سے پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے ملاحظہ ہو فتاوی ثنائیہ ص ۶۳۲ ج ۱ باقی صحیح مسلم کی روایت جو محمدی صاحب نے بیان کی ہے اس کے متعلق تفصیل سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

مقالہ۔ اب ایک سوال پر انہوں نے کہا تھا تفصیلی بات کریں ہمیں اس بات سے اتفاق ہے کہ نکاح ایک نعمت ہے لیکن آپ نے فرمایا ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو

جائے تو عورت حلال ہو جاتی ہے یہ آپ کی پہلی ٹھوکر ہے کہ صرف گواہوں سے عورت حلال ہو جاتی ہے عورت کے ولی کے بغیر نکاح کی جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں صحیح بخاری میں ذکر ہے کہ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے رائج تھے اسلام نے انہیں ختم کر کے ان میں سے صرف ایک طریقہ جائز رکھا ہے اور وہ یہ کہ ولی کے ذریعہ نکاح کیا جائے۔ یہ بات حضرت عائشہ سے مروی ہے اور آپ صرف گواہوں سے حلال کر رہے ہیں یہ آپ کی پہلی ٹھوکر ہے۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کا یہ فرمانا کہ عورت کے ولی بغیر نکاح کی جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں تو عرض ہے کہ ولی کے بغیر نکاح کے ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف تو پرانے فقہاء میں بھی پایا جاتا تھا اور آج بھی ہے بلکہ خود غیر مقلد علماء کرام کے درمیان اس بارہ میں اختلاف نمایاں ہے اس کے لئے فتاوی ثنائیہ کی لا نکاح الا بولی کے تحت بحث کا مطالعہ کریں جس میں امام نوویؒ اور نواب صدیق حسن خان صاحب کی عبارات سے لکھا ہے کہ ولی صحت نکاح کا رکن نہیں بلکہ ولی کی حاجت صرف اتمام مقصود کیلئے ہے۔ السراج الوہاج میں نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے اور پھر آگے لکھا ہے اور وہ (ثیبہ) اپنی ذات کے لئے خوب انتخاب کر سکتی ہے جو الثیب احق بنفسها من وليها کو شامل ہے محدثین کی شان یہ ہے کہ جب احادیث دو معنی پر ایک ہی نوعیت کی ہوں تو اسمیں تطبیق دی جائے (فتاوی ثنائیہ: ۸۷ ۲ تا ۲۸۱ ص ج ۲ ملخصا) جب ثیبہ کے لئے ولی کی شرط آپ حضرات میں بھی مختلف فیہ ہے تو ایسے معاملات میں دعوی کرنا کہ ولی کے بغیر عورت کے نکاح کا اسلام میں کوئی تصور نہیں اسکو غلو اور تعصب کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ جناب محمدی صاحب نے بخاری شریف کی حضرت عائشہؓ سے جو روایت پیش کی ہے۔ تو اس کے تحت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کی صرف چار صورتیں نہ تھیں بلکہ ان کے علاوہ بھی صورتیں پائی جاتی تھیں نیز فرماتے ہیں على ان فى الاستدلال بهذه الصيغة فيمنع النكاح بغير ولى نظر لا نهاتحتاج الى تقرير۔ اس صیغہ کے ساتھ ولی کے بغیر نکاح کے عدم جواز پر استدلال محل نظر ہے اس لیے کہ اس صورت میں عبارت مقدر ماننا پڑتی ہے نیز فرماتے ہیں احتج بهذا على

اشتراط الولى وتعقب بان عائشة وهى التى روت هذا الحديث كانت تجيز النكاح بغير ولى کہ اس روایت کو نکاح میں ولی کے شرط ہونے پر دلیل بنایا گیا ہے اور اس پر گرفت کی گئی کہ حضرت عائشہؓ جو اس روایت کو روایت کرنے والی ہیں وہ تو خود ولی کے بغیر نکاح کو جائز قرار دیتی تھی (ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۸۷۔۸۸۔۹۰ ج ۱۱)

مقالہ۔ نمبر ۲۔ الذى بيده عقده النكاح سے مراد کون ہے اسمیں علماء مفسرین میں اگرچہ اختلاف ہے البتہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے حنفی صاحب نے فرمایا اگر خاوند ہی نکاح کی گرہ چھوڑ دے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے جوڑ نہیں سکتی تو آپ سے سوال ہے کہ اگر کوئی شخص طلاق صرف ایک دے تو نکاح کی گرہ کھل جاتی ہے یا نہیں؟ صرف ایک طلاق دینے سے گرہ کھلتی ہے کہ نہیں۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آپ کا فتوی ہے کہ خاوند تین دے تو تین واقع ہوں گی بس اس کی دلیل پیش فرمادیں نبی ﷺ کے زمانے میں تو صرف ایک واقع ہوتی تھی جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے لیکن آپ کا فرمان کیونکہ نکاح کی گرہ اس کے ہاتھ میں ہے تو پھر پہلا سوال کہ جب خاوند نے پہلی مرتبہ لفظ طلاق زبان سے نکالا طلاق واقع ہوئی تھی یا نہیں اگر واقع ہو گئی تھی تو نکاح کی گرہ کھل گئی تھی یا نہیں اگر کھل گئی تھی جو کہ یقینی ہے تو پھر طلاق کہہ کر کونسی گرہ کھولتی ہے جو نکاح کی گرہ ہے وہ تو پہلے ہی کھل چکی ہے۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب اپنے مخالف حنفی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص طلاق صرف ایک دے تو نکاح کی گرہ کھل جاتی ہے یا نہیں الخ۔ تو عرض ہے کہ جس قدر وہ گرہ کھولے گا اتنی ہی وہ کھلے گی اگر ایک طلاق کے بعد عدت کے دوران رجوع کر لیتا ہے تو اتنی ہی گرہ کھلی اگر عدت کے دوران رجوع نہیں کیا تو گرہ اتنی کھل گئی کہ نئے نکاح کے بغیر چارہ نہیں ایک طلاق کے بعد بھی گرہ کھلتی ہے مگر اس کی حیثیت کے مطابق کھلتی ہے ایسا نہیں ہے کہ ہر صورت میں گرہ کا کھلنا ایک ہی جیسا ہو۔ جیسا کہ جناب محمدی صاحب نے سمجھ رکھا ہے باقی رہا تین طلاقوں کا تین ہی ہونا تو اس کی بحث تفصیل سے ہو چکی ہے۔

مقالہ۔ نمبر چار۔ کا جواب یہ ہے کہ چار نمبر کے اکثر شق سے ہمیں اتفاق ہے لیکن یہ الفاظ کہ تین طلاقیں یک دم دینا نا جائز ہے مگر واقع تو تین ہونگی بلا دلیل ہے اسکی دلیل مطلوب ہے

اگر ہو تو پیش کر دیں ورنہ یہ آپ کی ٹھوکر ہے۔

جواب مقالہ۔ بفضلہ تعالیٰ قرآن وحدیث سے ہم نے یہ مئوقف ثابت کر دیا ہے میں نہ مانوں کا علاج اس دنیا میں کسی کے پاس نہیں۔

مقالہ نمبر پانچ۔ کے جواب میں بھی ہمارا سوال یہ ہے کہ پہلے یہ بتائیں کہ پہلی طلاق سے گرہ کھلتی ہے یا نہیں۔

جواب مقالہ۔ اس کا جواب ہم ص۱۲۱ میں دے چکے ہیں۔

مقالہ۔ نمبر چھ۔ چونکہ تین طلاقیں اکٹھی دینا حرام ہے اس لیے آپ کی ناراضگی بجا ہے۔

جواب مقالہ۔ آپ ﷺ کی ناراضگی اس بات کی دلیل ہے کہ تین طلاقیں دینے سے صرف الفاظ کی مخالفت نہیں بلکہ حکم کی مخالفت بھی کی گئی ہے۔ اور پھر آپ نے رد نہیں فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ تین کو تین ہی قرار دیا ورنہ کسی صحیح روایت سے رد کے الفاظ ثابت کر کے دکھائیں۔

مقالہ۔ حنفی صاحب نے ساتویں شق میں تو کمال ہی لکھ دیا واقعتاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ تین طلاقوں پر ناراض ہوتے ہیں اور شیطان بے حد خوش ہوتا ہے۔ لیکن یہاں کچھ اضافے کی ضرورت ہے کہ حنفی حضرات بھی خوش ہوتے ہیں۔ آپ حضرات کی خوشی بھی اسی بات میں ہے کہ تین واقع ہو جائیں ایک واقع کرنے پر آپ بھی خوش نہیں۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کا یہ فرمانا کہ یہاں کچھ اضافہ کی ضرورت ہے تو عرض ہے کہ محمدی صاحب اضافہ کا خود تعین کرنے کی بجائے کسی منصف مزاج سمجھدار آدمی کو اختیار دیں کہ وہ حالات معلوم کر کے جو مناسب سمجھے اضافہ کرے اس لئے کہ حالت یہ ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دے کر حنفیوں کے مفتیوں کے پاس آنے والے خود بھی ناراض ہو کر جاتے ہیں اور صلح کی کوئی صورت نکالنے کا بے جا اصرار کر کے ہمارے مفتی حضرات کو بھی پریشان کر کے جاتے ہیں جبکہ آپ حضرات تو ایسے لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ اور چہروں پر یوں بشاشت ہوتی ہے جیسے دھاندلی سے الیکشن جیتنے والا اپنے اعزاز میں دی گئی دعوت میں شریک ہو۔ جب صورت حال یہ ہے تو اضافہ بھی اسی کے مناسب ہونا چاہیے۔

مقالہ۔ نمبر آٹھ۔ یہی تو ہم کہتے ہیں کہ نکاح کرنے سے فوری طور پر حلت کامل حلت

آجاتی ہے اور طلاق سے فوری حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ آپکا موقف ہے کہ نکاح سے حلت فوری ہوتی ہے اور طلاق سے حرمت فوری نہیں ہوتی۔ اگر ایک طلاق سے حرمت ثابت نہیں ہوتی تو بتائیں اگر ایک شخص اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دیتا ہے اور بس تو کیا عدت کے بعد وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح نہیں کر سکتی۔ طلاق کے تین مرحلے ہم نے نہیں بنائے اللہ نے بنائے ہیں اللہ فرماتے ہیں **الطلاق مرتان** .

جواب مقالہ۔ اگر ہر طلاق سے حرمت فوراً ہوتی ہے تو پہلی طلاق کے بعد رجوع کیسے جائز ہو سکتا ہے حالانکہ قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے کہ ایک طلاق کے بعد اور اسی طرح دوسری طلاق کے بعد عدت کے دوران رجوع کا حق ثابت ہے اور ایک طلاق کے بعد فوراً حرمت کا نظریہ تو اس نص قطعی کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ اگر حرمت ہوتی تو نئے نکاح کی ضرورت ہوتی اور اگر عدت گزر جائے تو تب حرمت آجاتی ہے اسی وجہ سے ایسی حالت میں نئے نکاح کی ضرورت ہوتی ہے۔

مقالہ۔ رکانہ والی روایت سے استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ آپ اسے سنداً صحیح ثابت کریں یہ روایت تو محدثین کے ہاں انتہائی ضعیف ہے بلکہ اس کے سارے راوی محدثین کے نزدیک ضعیف اور ناقابل اعتماد ہیں اور ان میں سے زبیر بن سعید اضعف یعنی سب سے زیادہ ضعیف ہے۔ آپ کو اس دلیل پر بڑا ناز ہے جو کہ بے اصل ہے مسند احمد میں رکانہ کا یہ واقعہ صحیح سند سے ایسے مذکور ہے کہ اس نے تین طلاقیں دی تھیں۔ نبی ﷺ نے اسے رجوع کرنے اور صلح کرنے کا حکم دیا تو اس نے رجوع کر لیا۔ یہ غلط ہے کہ مذکورہ صورت میں مرد طلاق دینے کا اہل ہے۔ جب اس نے پہلی مرتبہ طلاق بولا طلاق تو نکاح کی گرہ کھل گئی اب مرد دوسری طلاق دینے کا اہل نہیں وہ اسی لئے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دوسری طلاق دینے سے پہلے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔

جواب مقالہ۔ عمدۃ الاثاث میں حضرت رکانہؓ والی روایت ایسی سند کیساتھ نقل کی گئی ہے جس میں زبیر بن سعید نہیں ہے بلکہ وہ روایت ہے جس کے بارہ میں امام دارقطنیؒ امام ابو داؤدؒ سے نقل کرتے ہیں وھذا حدیث صحیح (دارقطنی ص ۳۳ ج ۴) اور زبیر بن سعید والی روایت کے بارہ میں عمدۃ الاثاث میں کہا گیا ہے کہ وہ روایت اس روایت کی متابع ہے۔ اور

پھر زبیر بن سعید کی توثیق کرنے والے بھی حضرات محدثین کرام میں موجود ہیں۔ تو اکی حدیث حسن سے کم نہیں (ملاحظہ ہو عمدۃ الاثاث ص ۹۴) اور پھر جناب محمدی صاحب یہ کہنا کہ مسند احمد کی سند صحیح ہے تو عرض ہے کہ یہ سند صحیح کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اسمٰعیل محمد بن اسحاق ہے جو متکلم فیہ راوی ہے اسی طرح اس کا استاد داؤد بن الحصین ہے جس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ عکرمہ کے علاوہ کسی اور سے روایت کرے تو ثقہ ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۳۷۱ ج ۲) اور مسند احمد کی یہ روایت داؤد بن الحصین عکرمہ سے ہی کر رہا ہے۔ جناب محمدی صاحب کا یہ فرمانا کہ اس روایت سے استدلال صحیح نہیں تو ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے اسلئے کہ جن روایات میں یہ ہے کہ طلاق بتہ دی تھی وہ روایات زیادہ صحیح ہیں چنانچہ محدث مبارکپوری صاحبؒ اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحبؒ امام ترمذیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اس روایت میں اضطراب ہے کسی روایت میں ثلاثا ہے اور کسی میں واحدۃ ہے۔ پھر ان روایات کو اصح قرار دیتے ہیں۔
جن میں یہ ہے کہ طلاق بتہ دی تھی۔ نیز فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے تین کہا ہے انھوں نے روایت بالمعنی کی ہے فرماتے ہیں **واصحها انه طلقها البتة وان الثلاث ذكرت فيه على المعنى** (ملاحظہ ہو التعلیق المغنی ص ۴۳ ج ۴ و تحفۃ الاحوذی ص ۲۱۰ ج ۲) جب مسند احمد والی روایت جسمیں ثلاثا کے الفاظ ہیں وہ روایت بالمعنی ہے اور وہ روایات جن میں البتہ کے الفاظ ہیں وہ اصل ہیں اور اس کے ساتھ یہ روایات اصح بھی ہیں تو اضطراب کا بہانہ بھی ختم ہو جائیگا اسلئے کہ جب راجح صورت پائی جائے تو اس کو لے کر اضطراب کو ختم کیا جاتا ہے اور یہی قاعدہ حضرات محدثین کرامؒ نے اضطراب کو ختم کرنے کا بیان فرمایا ہے۔ اسلئے یہی پہلو متعین ہو گیا کہ طلاق بتہ دی تھی۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں اب مرد دوسری طلاق دینے کا اہل نہیں وہ اس لئے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو دوسری طلاق دینے سے پہلے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا الخ۔ جناب محمدی صاحب کے اس فرمان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جب تک پہلی طلاق کے بعد رجوع نہ ہو اسوقت تک دوسری طلاق درست نہیں حالانکہ یہ کہ نظریہ بالکل غلط ہے اور اسکی تردید ہم نے پہلے ص ۱۱ پر خود غیر مقلد علماء سے بھی نقل کی ہے۔ باقی رہا حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کا حکم کرنا تو اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ

دوسری طلاق سے پہلے رجوع ضروری ہے بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے حیض کی حالت میں طلاق دی تھی اور ایسی حالت میں رجوع کے وجوب و عدم وجوب پر حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے چنانچہ مبارکپوریؒ اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ رجوع واجب نہیں بلکہ مستحب ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۹ ج ۲ اور السراج الوہاج ص ۵۴۹ ج ۱) اور جن حضرات نے وجوب کا قول کیا ہے انھوں نے بھی صرف اسی حالت میں واجب کہا ہے جبکہ طلاق حیض کی حالت میں دی ہو۔ چنانچہ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔۔
وظاهر الامر الوجوب فتكون مراجعة من طلقها زوجها على تلك الصفة واجبة (نیل الاوطار ص ۲۳۶ ج ۶) اور ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امر وجوب کیلئے ہے لہذا جس آدمی نے اپنی عورت کو اس طریقہ پر طلاق دی تو اس پر رجوع کرنا واجب ہوگا۔ اور نیل الاوطار سے یہی الفاظ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے بھی السراج الوہاج ص ۴۵۹ ج ۱ میں نقل کئے ہیں۔ اگر رجوع ہر حال میں ضروری ہوتا تو **على تلك الصفة** کی قید کی کیا ضرورت تھی؟ اسلئے جناب محمدی صاحب کا حضرت ابن عمرؓ والی روایت سے اس پر استدلال درست نہیں ہے کہ پہلی طلاق کے بعد دوسری طلاق کیلئے درمیان میں رجوع ضروری ہے۔ اگر کسی نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہو تو پھر تو رجوع کے وجوب یا استحباب کا اختلاف تو حضرات فقہاء کرام میں موجود ہے اور اگر طلاق حیض کی حالت میں نہ ہو تو دوسری طلاق دینے سے پہلے کسی کے نزدیک بھی رجوع لازم نہیں ہے سوائے شیعہ حضرات کے۔ اور امیر یمانی کا بھی پہلے یہی نظریہ تھا مگر انھوں نے بعد رجوع کر لیا تھا جیسا کہ پہلے اس کا حوالہ بیان کر دیا گیا ہے۔
مقالہ۔ نمبر نو۔ شق سے ہمیں مکمل اتفاق ہے۔ نمبر دس یہ تو ہمارا موقف ہے کہ ایک ایک ہے اور تین تین ہیں۔ آپ کا موقف ہے کہ ایک بھی تین ہیں اور تین بھی تین ہیں۔ شرعی طور پر طلاقوں کے تین ہونے کی مکمل صورت بیان ہو چکی ہے مسلمان کی خیر خواہی ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ اپنی ذمہ داری ہم نے پوری کر دی ہے نصیحت قبول کرنا یا نہ کرنا ہر شخص کا اپنا اختیار ہے اللہ تعالےٰ حق بات قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ جواب محمدی کا ہے حنفی کا نہیں۔ کچھ باقی ہے جی ابھی۔ آپ کی سمع خراشی تو ہو رہی ہو لیکن میں چاہتا ہوں جو

خلاصہ آگیا ہے وہ پیش کر دیا جائے۔ اور نماز عشاء لیٹ پڑھنے سے زیادہ ثواب ہو گا۔ انشاءاللہ۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب سے گذارش ہے کہ آپ دوسروں کو حنفی ہونے کا طعنہ دیتے ہیں تو خود کو محمدی کیوں کہہ رہے ہیں آخر اثری، سلفی اور محمدی وغیرہ بھی تو مسلک اہلحدیث کے ساتھ وابستہ لوگوں کی نسبتیں ہیں جو انھوں نے خود قائم کر رکھی ہیں۔

جناب محمدی صاحب کی بے بسی۔ قارئین کرام سے گذارش ہے کہ جناب محمدی صاحب نے جس حنفی مولوی صاحب کی طویل عبارت خود ہی پڑھ کر سنائی اسکو بھی دیکھیں اور پھر جناب محمدی صاحب کے جوابات بھی دیکھیں۔ اس عبارت میں کئے گئے اعتراضات کے جوابات دینے میں جناب محمدی صاحب بالکل بے بس دکھائی دیتے ہیں اور جو جوابات دیئے ہیں ان میں بھی جان چھڑانے کا پہلو غالب ہے شاید یہی وجہ ہے کہ اس حنفی مولوی صاحب نے ان کے جوابات کی ضرورت محسوس نہیں کی مگر جناب محمدی صاحب اترا رہے ہیں کہ ڈیڑھ سال ہوا جواب نہیں آیا۔ ہم نے بھی جناب محمدی صاحب کی تقریر کے اس حصہ کا صرف اسلئے جواب مناسب سمجھا تاکہ وہ اپنا روایتی انداز اختیار کرتے ہوئے یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ آدھا جواب دیا ہے آدھا نہیں دیا۔

مقالہ۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دیں تو خرچہ نہ دیا نبی کریم ﷺ کے پاس مقدمہ لے گئی تو آپؐ نے بھی فرمایا کہ تیرا خرچہ اس کے ذمہ نہیں ہے معلوم ہوا کہ تینوں اکٹھی طلاقیں آپ نے نافذ کر دیں۔ تو گذارش ہے کہ آپ نے اسی لئے نافذ فرما دیں کہ وہ شریعت اسلام کے مطابق دی گئی تھیں۔ جیسا کہ یہ وضاحت کتب احادیث میں موجود ہے کہ اس کے خاوند ابو عمرو نے اسے اکٹھی تین نہیں دی تھیں بلکہ آخری ایک طلاق دی تھی سنن نسائی جلد دوم ص ۱۰۹ **فطلقها آخر ثلاث تطليقات** یہ الفاظ ہوتے ہوئے پتہ نہیں کیسے ہمت ہوتی ہے استدلال کرنے کی۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تیسری طلاق کے بعد خاوند کے ذمہ خرچ نہیں تو یہ حدیث بیان کرنے کے باوجود حنفی کہتے ہیں کہ نہیں خرچہ خاوند کے ذمہ ہی ہو گا۔ بھائی اگر اس حدیث کو قبول کرنا ہے تو مکمل قبول کرو پھر خرچہ کی نفی کرو لیکن کہتے ہیں خرچہ وہی دے گا۔

جواب مقالہ۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ والی روایات میں سے بعض میں ہے **طلقني زوجي ثلاثا** (ترمذی ص ۲۲۳ ج ۱) بعض میں ہے **طلقها آخر ثلاث تطليقات** (مسلم ص ۴۸۴ ج ۱) بعض میں ہے **بتطليقة كانت بقيت من طلاقها** (مسلم ص ۴۸۴ ج ۱) بعض میں ہے **طلقها ثلاثا جميعا** (مسند احمد ص ۳۷۳ و ۴۱۳ ج ۶) ان تمام روایات میں تطبیق دی جائے تو یہی صورت نکلتی ہے کہ وہ طلاقیں معمولی معمولی وقفہ سے دی گئی تھیں اور یہ ہمارے نظریہ ہی کی تائید کرتی ہے۔ اور اگر جناب محمدی صاحب اور ان کے طبقہ کا اصرار ہے کہ ان طلاقوں کے درمیان اتنا وقفہ تھا جو طلاق شرعی میں ہوتا ہے اور جیسا کہ جناب محمدی صاحب نے اپنی تقریر میں بھی یہی دعوی کیا ہے تو اس کے لئے واضح دلیل چاہئے۔ دلیل ہو تو پیش کریں۔ دیدہ باید۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں یہ حدیث بیان کرنے کے باوجود حنفی کہتے ہیں کہ نہیں خرچہ خاوند کے ذمہ ہی ہے بھائی اگر اس حدیث کو قبول کرنا ہے تو مکمل کرو۔ الخ۔ بفضلہ تعالےٰ ہم مکمل حدیث کو قبول کرتے ہیں اس روایت میں کہیں نہیں ہے کہ تیسری طلاق کے بعد خاوند کے ذمہ خرچہ نہیں ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ کس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ جناب محمدی صاحب نے کہہ دیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تیسری طلاق کے بعد خاوند کے ذمہ خرچ نہیں۔ ہماری گذارش ہے کہ نسائی شریف کا جو حوالہ محمدی صاحب نے دیا ہے صرف اسی میں نہیں بلکہ ذخیرہ احادیث میں سے کسی حدیث میں یہ الفاظ ثابت کر دیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تیسری طلاق کے بعد خاوند کے ذمہ خرچ نہیں۔ تو ہم محمدی صاحب کو غلط بیانی کرنے والا نہیں کہیں گے اور اگر ثابت نہ کر سکیں اور یقیناً ثابت نہ کر سکیں گے تو پھر **من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار** الحدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان الفاظ کی حضور علیہ السلام کی جانب نسبت کرنے کی وجہ سے بر سر عام معافی مانگیں۔ باقی روایت میں جو الفاظ ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے فرمایا کہ تیرے لئے نفقہ نہیں تو اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے اسباب تھے جن کی وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے یہ فرمایا کہ تیرے لئے نفقہ نہیں ہے۔ یہ صرف ان کے لئے تھا مگر انھوں نے اسکو قاعدہ کے طور پر سمجھ لیا حالانکہ یہ قاعدہ کے طور پر نہ تھا اسی لئے حضرت عائشہؓ اس روایت کی وجہ سے

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ پر عیب لگاتی تھیں اور جو مفہوم اس کا حضرت فاطمہ بنت قیسؓ بتاتی تھیں اس مفہوم کا ام المومنین انکار کرتی تھیں۔ **وقال عروة ان عائشة انكرت ذالك على فاطمة** (فتح الباری ص ۴۰۷ ج ۱۱ و مسلم ۴۸۴ ج ۱) اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں **وفی رواية للبخاری وغيره ان عائشة عابت ذالك اشد العيب** (تحفۃ الاحوذی ۲۱۳ ص ج ۲) یعنی حضرت عائشہؓ اس پر سخت عیب لگاتی تھیں۔

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا **لاندع كتاب الله وسنة بنيا** ﷺ **لقول امرأة لاندری لعلها حفظت ام نسيت** (مسلم ص ۴۸۵ ج ۱) کہ ہم ایک عورت کی بات کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ نہ جانے یہ بات کو یاد رکھ سکی ہے یا بھول گئی ہے۔ حضرات محدثین کرامؒ اس روایت کے اس حصہ **لا نفقة لك** کی جو توجیہات کرتے ہیں ہم وہی توجیہات مانتے ہیں۔ ایک توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے اس نفقہ کو کم سمجھا تھا جو ان کو دیا جارہا تھا اور اسکی دلیل مسلم ص ۴۸۴ ج ۱ کے یہ الفاظ ہیں **وكان انفق عليها نفقة دون** ۔ کہ اس نے اسکو کم نفقہ دیا تھا۔ اور مسلم شریف ص ۴۸۵ ج ۱ کے الفاظ ہیں کہ مجھے خاوند نے پانچ صاع جو اور پانچ صاع کھجوریں بھیجی تھیں۔ **فقلت اما لی نفقة الاهذا** ۔ تو میں نے کہا کہ کیا میرے لئے صرف اسی قدر نفقہ ہے۔ تو جب اس نے نفقہ کم سمجھا اور زیادہ کا مطالبہ کیا اور مقدمہ حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا صدق کہ تیرا مخالف ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یعنی تیرا نفقہ اتنا ہی ہے اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مطلقاً نفقہ کی نفی نہیں کی گئی تھی بلکہ اس زائد کی نفی تھی جسکا مطالبہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے کیا تھا۔ مگر حضرت فاطمہ نے اسکو **على الاطلاق** نفی سمجھ لیا۔ دوسری توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کے خاوند نے جو نفقہ بھیجا تھا ان کے وکیل نے وہی پہنچایا جبکہ وہ وکیل سے زیادہ کا مطالبہ کر رہی تھیں تو اس وکیل نے کہا کہ ہمارے ذمہ تو تیرا نفقہ نہیں بنتا اور اسکی دلیل ابوداؤد شریف کے یہ الفاظ ہیں **فقال والله مالك علينا من شئ** کہ وکیل نے کہا اللہ کی قسم ہمارے ذمہ تو تیرا کوئی حق نہیں بنتا تو جب یہ معاملہ حضور علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا **ليس لك عليه نفقة** کہ تیرا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہے (ابوداؤد ص ۳۱۱ـ۳۱۲ ج ۱) حضور علیہ

السلام نے وکیل کے ذمہ نفقہ کی نفی فرمائی مگر حضرت فاطمہ اسکو علی الاطلاق سمجھنے لگیں۔ تیسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس اپنے خاوند کے رشتہ داروں کے ساتھ جھگڑتی رہتی تھیں اسلئے ان کو نفقہ سے محروم کر دیا گیا امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت میں یہ علت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے رہائش اس لئے قرار نہیں دی **لما كانت تبذو على اهلها** (ترمذی ص ۲۲۳ ج ۱) کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ سخت کلامی کرتی تھی جناب محمدی صاحب سے گزارش ہے کہ ہم پر یہ الزام نہ لگائیں کہ آدھی روایت کو تسلیم کرتے ہیں آدھی کو نہیں بفضلہ تعالیٰ ہم ساری حدیث کو تسلیم کرتے ہیں اور حدیث کے مفہوم کو حضرات محدثین کرام کی بیان کردہ توجیہات کے ساتھ لینے کو حدیث کا انکار نہیں کہا جاتا۔ باقی رہا یہ کہ ایسی مطلقہ کے لئے احناف خاوند کے ذمہ نفقہ اور سکنی کے قائل ہیں تو اس کے دلائل قرآن و حدیث میں موجود ہیں ملاحظہ ہو (روح المعانی ص ۱۶۰ ج ۲، تفسیر ابی السعود ص ۱۸۰ ج ۱، تفسیر مدارک ص ۱۲۲ ج ۱) کہ قرآن کریم میں **وللمطلقات متاع** میں متاع سے **نفقة العدة** مراد ہے اور (دار قطنی ص ۲۱ ج ۴) میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **المطلقة ثلاثا لها السكنى والنفقة** یعنی جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کا نفقہ اور رہائش خاوند کے ذمہ ہے۔

مقالہ۔ دار قطنی بیہقی کے حوالہ سے ایک یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضرت حسن نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو کہا **اذهبی فانت طالق ثلاثا** حضرت علی کی شہادت کے وقت اس نے آکر بتایا جی وہ فوت ہو گئے ہیں اس نے کہا جی تمہیں مبارک ہو۔ آپ خلیفہ بن جائیں گے۔ اونہاں آکھیا توں کی کیتا اے۔ میرا ابا مر گیا اے توں مینوں مبارک دین ڈئی ایں جاؤ تجھے طلاق۔ اسے کچھ ساتھ مال بھیجا اس مال پر اس نے کچھ ایسے الفاظ میں تبصرہ کیا کہ وہ الفاظ سن کر حضرت حسنؓ رونے لگے۔ اور فرمایا اگر میں نے اپنے باپ یا نانا سے یہ نہ سنا ہوتا کہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ یا اکٹھی دینے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے تو میں ضرور رجوع کر لیتا۔ یہ بات واقعتاً اگر صحیح ثابت ہو جائے تو ثابت ہو گیا ناں کہ اکٹھی تین دینے سے حرام ہو جاتی ہے۔ تو گذارش یہ ہے کہ اسکی سند میں کئی راوی سخت مجروح ہیں جن کی وجہ سے یہ

روایت نا قابل اعتماد ہے اس کے روای محمد بن حمید اور سلمۃ بن فضل پر امام بخاری اور امام علی بن
مدینی، امام نسائی امام اسحاق بن راہویہ نے انتہائی سخت جرحیں کی ہیں۔ یعنی کہ کذاب تک
قرار دیا ہے لیکن جو حال عمرو بن ابی قیس اور دوسری سند کے عمرو بن شمر کا بیان کیا گیا ہے او ہو
کہ عمرو بن قیس کی بیان کردہ احادیث میں غلطیاں ہوتی ہیں اور عمرو بن شمر کا کچھ حال یوں
ہے قال البخاری منکر الحدیث قال یحی لا یتبع حدیثہ ایک اور امام فرماتے ہیں زائغ
کذاب یہ کج رو اور جھوٹا ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں رافضی یشتم الصحابۃ کہ صحابہ
کرام کو گالیاں نکالنا انکی عادت تھی۔ یہ شیعہ تھا ویروی الموضوعات عن الثقات ثقہ
راویوں کا نام لے کر موضوع اور من گھڑت احادیث بیان کرنا اسکی عام عادت تھی۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب نے جو روایت ذکر کر کے اس پر جرح کی ہے یہ روایت
سنن الکبری للبیہقی کے علاوہ دو سندوں کے ساتھ دارقطنی میں بھی ہے اور اس پر غیر
مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے جو بحث کی ہے اسمیں پہلی روایت کے ایک راوی
عمرو بن ابی قیس پر بحث کی ہے اور لکھا ہے صدوق لہ اوہام قال ابو داود لاباس بہ فی
حدیثہ خطاء۔ اور دوسرے راوی سلمۃ بن الفضل کے بارہ میں لکھا کہ امام بخاریؒ نے کہا فی
حدیثہ بعض المناکیر وقال ابن معین ھو یتشیع وقد کتبت عنہ ولیس بہ باس
وقال ابو حاتم لا یحتج بہ الخ۔ غور فرمائیں کہ جرحی کلمات کے ساتھ امام ابو داؤد کے لا
باس بہ اور ابن معین سے وقد کتبت عنہ ولیس بہ باس کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں
اور دوسری سند کے عمرو بن شمر پر جناب عظیم آبادی صاحبؒ نے جرح نقل کی ہے (ملاحظہ ہو
التعلیق المغنی ص ۳۰۔ ۳۱ ج ۴) جناب محمدی صاحب سے گذارش ہے کہ طلاق ثلاثہ
کے مسئلہ میں تو شیعہ حضرات کا نظریہ ہے کہ وہ نافذ ہی نہیں ہوتیں جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ
نے فتاوی ص ۹ ج ۳۳ میں اور دیگر حضرات نے اس کی وضاحت کی ہے۔ تو جب شیعہ راوی
اپنے نظریہ کے خلاف روایت کر رہا ہے تو یہ احتمال کم ہو جاتا ہے کہ اس نے روایت وضع کی
ہو اور اس روایت سے جو مفہوم نکلتا ہے اسکی تائید دیگر صحیح روایات سے ہوتی ہے تو اس لئے
ہم اس روایت کو قبول کرتے ہیں۔ اور حضرت حسنؓ نے جو یہ فرمایا کہ میں نے اپنے باپ یا نانا
سے سنا تو اس سے بھی روایت کی صحت کو تقویت ملتی ہے اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے بھی

تین کو نافذ فرمایا جیسا کہ ابو داؤد شریف کے حوالہ سے گزرا اور حضرت علیؓ کا نظریہ بھی تین
طلاقوں کو تین ہی نافذ کرنے کا تھا جیسا کہ علامہ ابن حزم نے محلی میں اور امام بیہقیؒ نے سنن
الکبری میں ان کا نظریہ نقل کیا ہے۔

مقالہ۔ یہ روایت نمبر دو۔ یہ بات جی آگے ایک اور روایت ہے اس کا تو حال آپ نے سن لیا۔
تفصیل موجود ہے حوالہ میں موجود ہے یہ روایت کیسی عجیب حجت ہے حضرت عبادۃ بن
صامتؓ سے مروی ہے کہ میرے باپ یا دادا نے طلاق دے دی تو طلاقیں دے دیں تین۔
پھر اس کے بیٹے نبی پاک کے پاس گئے اور انھوں نے کہا اے اللہ کے نبی ہمارے باپ نے
ہماری ماں کو تین تین نہیں جی ہزار طلاق غلطی ہو گئی ایک ہزار طلاق دے دی ہے الفا کا لفظ
ہے تو اس کا کوئی اب رجوع ہو سکتا ہے نبی پاک نے فرمایا کہ تمہارا باپ اللہ سے نہیں ڈرا کہ
اللہ اسکا کوئی راستہ نکالتا تین طلاقوں سے وہ علیحدہ ہو گئی ہے۔ ناجائز اور غیر طریقہ شریعت پر
اور نو سو ستانوے جو ہیں یہ اسکی گردن پر بوجھ ہوں گی۔ اس روایت کی حقیقت امام
دارقطنی نے خود بیان کر دی ہے کہ میرے استاد اور ابن الباقی کے علاوہ اس کے تمام روات
مجہول اور غیر معروف ہیں۔ جہاں حدیث بیان کی ہے وہاں ہی یہ وضاحت کر دی ہے ان کا
حال معلوم نہیں اور جن لوگوں نے ان کے حالات معلوم کئے ہیں وہ بھی ایسے تبصرہ فرماتے
ہیں کہ اس کے ایک راوی یحی بن العلاء ہیں جن کے متعلق علماء محدثین کا تبصرہ یہ ہے جی۔
قال ابو حاتم لیس بالقوی ضعفہ ابن معین و جماعۃ وقال الدار قطنی متروک
وقال احمد بن حنبل کذاب ۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جھوٹا تھا یضع الحدیث
احادیث من گھڑت تیار کرتا تھا۔ میزان الاعتدال جلد چار صفحہ نمبر ۳۹۷۔ یحی کے استاد
عبید اللہ بن ولید کا حال کچھ اس طرح ہے امام ابو زرعہ اور دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ
ضعیف ہے اور ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں سے ایسی روایتیں کرتا ہے جو ثقہ راویوں
کے مروی احادیث کے برابر نہیں ان کے مطابق نہیں ہوتیں۔ حتی کہ یوں محسوس ہوتا ہے
کہ یہ خود گھڑ کے لاتا ہے اسلئے وہ متروک ہے۔ پھر کسی صحیح روایت سے حضرت عبادہ کے
والد یا دادا کے مسلمان ہونے کا ثبوت ہی نہیں ملتا۔

جواب مقالہ۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ والی مذکورہ روایت دارقطنی ص ۲۰ ج ۴ اور

مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۳ ج ۶ اور مجمع الزوائد ص ۳۳۸ ج ۴ میں ہے کہ انہوں نے
فرمایا کہ ہمارے بزرگوں میں سے کسی نے اپنی عورت کو ہزار طلاقیں دے دیں تو آپ ﷺ
نے فرمایا کہ تین کے ساتھ تو اسکی عورت جدا ہو گئی اور باقی نو سو ستانوے اسکی گردن پر ہیں۔
اس روایت پر جناب محمدی صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ امام دار قطنیؒ نے فرمایا
ہے کہ ہمارے استاد اور ابن عبدالباقی کے علاوہ باقی تمام راوی مجہول اور غیر معروف ہیں الخ۔
تو عرض ہے کہ امام دار قطنیؒ نے جو فرمایا ہے اسکا جواب تو خود جناب محمدی صاحب
نے دے دیا ہے کہ جن لوگوں نے حالات معلوم کئے ہیں وہ بھی ایسے تبصرہ فرماتے ہیں اس
کا مطلب یہ ہوا کہ یہ راوی ایسے مجہول نہیں ہیں کہ جن کے حالات معلوم نہ ہوئے ہوں
بلکہ حالات معلوم کرنے والوں نے حالات معلوم کئے ہیں۔ امام احمدؒ عبداللہ بن الولید
الوصافی کے بارہ میں فرماتے ہیں یکتب حدیثه للمعرفة (میزان الاعتدال ص ۷۱ ج ۳)
کہ معرفت کے لئے اسکی حدیث کو لکھا جا سکتا ہے۔ تو ہم بھی اس روایت پر اپنے نظریہ کا مدار
نہیں رکھ رہے بلکہ اسکو معرفت کیلئے ذکر کرتے ہیں کہ اس باب میں یہ روایت بھی
ہے۔ جناب محمدی صاحب نے اس روایت پر ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ کسی صحیح روایت سے
حضرت عبادہ بن صامتؓ کے والد یا دادا کے مسلمان ہونے کا ثبوت نہیں ملتا الخ۔ اگر جناب
محمدی صاحب تجاہل عارفانہ سے کام نہیں لے رہے تو ان کی معلومات کے لئے عرض ہے
کہ آباء صرف باپ دادا پر نہیں بولا جاتا بلکہ عربی زبان میں اپنے بزرگوں پر بھی بولا جاتا ہے
اور مشہور شعر ہے اولئك آبائی فجئنی بمثلهم۔ یہ میرے بزرگ ہیں تو ان جیسے لا
تو سہی۔ اور یہاں بھی خاندان کا کوئی بزرگ مراد ہے اور اس کا قرینہ بھی موجود ہے کہ فرماتے
ہیں طلق بعض آبائی۔ آباء پر بعض ہے۔ اگر اپنے باپ یا دادا کی بات ہوتی تو آباء پر بعض لانے کی
کیا ضرورت تھی۔ تعجب ہے کہ جناب محمدی صاحب اتنی واضح بات کو بھی نہیں سمجھ سکے۔
اور بالکل بیہودہ اعتراض کر دیا۔

مقالہ۔ دار قطنی کے حوالہ سے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے
فرمایا جو شخص بدعت طلاق دے چاہے ایک دے دو دے تین دے ہم اسکو اس کی بدعت
لازم کر دیں گے جی۔ اب یہ بھی ایک روایت ہے۔ امام دار قطنیؒ اس روایت کے

راوی اسماعیل بن ابی امیہ کو خود ہی ناقابل اعتبار اور ضعیف اور متروک الحدیث قرار دیتے
ہیں۔ دار قطنیؒ جلد ۴ صفحہ نمبر ۲۰ اور امام دار قطنیؒ نے اپنی کتاب کی جلد نمبر ۳
صفحہ ۳۴ میں فرمایا ہے کہ اسماعیل موضوع حدیثیں بناتا اور بیان کرتا تھا۔ اور اس حدیث
کے الفاظ طلق للبدعة سے بھی یہی متبادر ہے کیونکہ نبی پاک کے زمانہ میں یہ لفظ بدعت
طلاقوں کے حوالہ سے معروف نہیں تھا۔

جواب مقالہ۔ حضرت معاذؓ والی اس روایت کا علامہ ابن القیمؒ نے رد کیا اور فرمایا والدار قطنی
انما رواه للمعرفة وهو اجل من ان یحتج به (اغاثة اللهفان ص ۳۴۴ ج ۱) کہ امام
دار قطنیؒ نے معرفت کے لئے یہ روایت نقل کی ہے اور وہ بلند شان ہیں اس سے کہ اس
سے دلیل پکڑیں۔ تو عرض ہے کہ ہم بھی اس روایت پر اپنے نظریہ کا مدار نہیں رکھتے بلکہ
ہمارے نظریہ کا مدار دیگر دلائل پر ہے اور یہ روایت معرفت کیلئے بیان کر دی جاتی ہے کہ اس
باب میں یہ روایت بھی پائی جاتی ہے۔

مقالہ۔ تقریباً وہ تمام دلائل بیان کر دیئے گئے جس سے تین طلاقوں کے اکٹھے دینے کے
جواز یا ان کے وقوع کا استدلال کیا جاتا ہے۔ ان کی حقیقت سامنے آجانے کے بعد ان سے
استدلال کی قطعاً کوئی گنجائش باقی رہی ان سے جواز ثابت ہوتا ہے نہ ان کا وقوع۔ وہ لوگ جو
اس بات کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا جائز ہے وہ اپنے مؤقف پر اڑ جائیں تو بات
سمجھ میں آتی ہے لیکن وہ لوگ جو ناجائز بھی کہتے ہیں اور نافذ بھی کرتے ہیں ان کا استدلال سمجھ
سے بالاتر ہے۔ جب شریعت اسلام کے خلاف کیا ہوا کام مردود ہے تو وہ نافذ کیسے ہوگا؟

جواب مقالہ۔ اس بات کا فیصلہ تو منصف مزاج قارئین کرام ہی کریں گے کہ جو دلائل جمہور
کی جانب سے پیش کئے جاتے ہیں اور جناب محمدی صاحب نے ان پر اعتراضات کر کے برعم
خویش ان کو ناقابل استدلال بنانے کی کوشش کی ہے وہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے
ہیں۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو جناب محمدی صاحب کے اعتراضات کے بعد ان
دلائل کی حیثیت مزید اجاگر ہوئی ہے اور ان میں یوں نکھار آگیا ہے جیسے کسی برتن کو راکھ
سے مانجھ دیا جائے۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں لیکن وہ لوگ جو ناجائز بھی کہتے ہیں اور
نافذ بھی کرتے ہیں ان کا استدلال سمجھ سے بالاتر ہے الخ۔ تو عرض ہے کہ ہم پہلے بھی عرض

میں بیان کر چکے ہیں کہ جناب محمدی صاحب کا یہ اعتراض بالکل بوگس ہے اسلئے کہ تین
طلاقیں دینے والے کی طلاق کو نافذ تو وہ خود بھی مانتے ہیں اگرچہ ایک ہی مانتے ہیں۔ مگر مانتے
تو ہیں تو پھر اعتراض کی گنجائش کہاں نکلتی ہے؟ جناب محمدی صاحب ہم پر اعتراض کرنے
سے پہلے خود اپنے آپ ہی سے پوچھ لیتے کہ کیا حیض کی حالت میں طلاق جائز ہے؟ اگر جائز
نہیں تو کیا وہ نافذ ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز بھی ہے اور نافذ بھی ہوتی ہے تو پھر یہ اعتراض
کرنا کہ جو لوگ ناجائز بھی کہتے ہیں اور نافذ بھی مانتے ہیں ان کا استدلال سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ
اسی کی سمجھ سے بالاتر ہوگا جو سمجھ سے محروم ہو۔ حیض کی حالت میں طلاق کے متعلق غیر
مقلد عالم مولانا عظیم آبادی فرماتے ہیں **فیه دلیل علی حرمة الطلاق فی الحیض** (عون
المعبود ص ۲۲۲ ج ۲) اور اسی کے مطابق جناب مبارکپوری صاحبؒ نے لکھا ہو (ملاحظہ ہو تحفۃ
الاحوذی ص ۲۰۹ ج ۲) اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ فرماتے ہیں **و معلوم ان الله لم
یامر بطلاقهن فی الحیض بل حرمه** (السراج الوہاج ص ۵۴۹ ج ۱) یہ بات معلوم ہے
کہ بیشک اللہ تعالےٰ نے ان عورتوں کو حیض کی حالت میں طلاق کا حکم نہیں دیا بلکہ اسکو حرام
قرار دیا ہے۔ جب حیض کی حالت میں طلاق حرام ہے تو جناب محمدی صاحب کے فلسفہ کے
مطابق تو اسکو نافذ نہیں ہونا چاہیے حالانکہ بالاتفاق یہ طلاق نافذ ہوتی ہے۔ جناب محمدی
صاحب کو اپنے فلسفہ پر مدار رکھتے ہوئے تو تین طلاقیں اکٹھی دینے کی صورت میں بالکل نافذ
ہی نہیں ماننا چاہیے بلکہ شیعہ کی طرح بالکل انکار کرنا چاہیے۔ مقالہ۔ یہ عجیب منطق ہے
کہ دوران عدت کسی مطلقہ سے نکاح حرام ہوگا اگر کسی عورت کی عدت باقی ہو تو اس سے
نکاح حرام ہے پوچھا جائے کہ اگر کوئی آدمی اس سے نکاح کرلے تو نکاح ہو جائیگا پوری دنیا کے
علماء فقہا کہتے ہیں کہ نہیں ہوگا اب ایک عورت سے نکاح حرام ہے نکاح کرنے سے نہیں ہو
گا۔ ایک عورت کو طلاق دینا ناجائز ہے اسے طلاق کیسے ہو جائیگی۔ صاف بات نہیں ہے یہ۔
کسی مطلقہ سے نکاح حرام ہے اگر کوئی کرے تو متفقہ موقف یہ ہے کہ نکاح معتبر اور قبول
نہیں ہے اور تین طلاقیں دینا یا طلاق پر طلاق دینا حرام ہے لیکن مقبول اور معتبر ہیں نکاح تو
معتبر نہیں۔ طلاق معتبر ہے۔ جس کے معتبر سمجھنے سے شیطان راضی ہوتا ہے وہ معتبر ہے اور
جس کی وجہ سے اللہ کی رضا کا امکان ہے وہ معتبر نہیں۔ حالانکہ یہ صورت ناجائز ہے یہ فلسفہ

کیسا ہے۔ ناجائز لیکن نافذ اور معتبر ہے۔ ایسا کہ کسی کے اس فتوی نے جناب امام مالک کو
کوڑوں کی سزا دلوائی ہے امام مالک یہی کہتے تھے کہ کسی کو طلاق پر مجبور کرنا جائز نہیں اور اگر
کوئی شخص ایسا کرتا بھی ہے تو طلاق نہیں ہوگی لیکن بعض فلسفیوں نے یہ فتوی دیا کہ ناجائز ہونا
الگ بات ہے اگر کوئی کسی کو مجبور کر کے طلاق لے گا تو ہو جائیگی تو یہ فتنہ کھڑا ہو گیا۔
جواب مقالہ۔ قارئین کرام سے گذارش ہے کہ جناب محمدی صاحب کی تقریر کا یہ حصہ بار
بار پڑھیں اور اگر ٹیپ ریکارڈ میں انکی اس تقریر کی کیسٹ موجود ہو تو اسکو سنیں تو ان پر
بوکھلاہٹ واضح محسوس کی جاسکتی ہے ہماری جناب محمدی صاحب سے گزارش ہے کہ یا تو
اعلان کریں کہ ہر ناجائز اور حرام کام جس کا کوئی شخص ارتکاب کرے تو وہ نافذ ہی نہیں ہوتا
اگر اسکی جرات نہیں تو پھر عرض ہے کہ طلاق کو نکاح پر قیاس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
طلاق کو طلاق پر ہی قیاس کریں۔ کہ جب حیض کی حالت میں طلاق حرام اور ناجائز ہے اور
اس کے باوجود نافذ ہوتی ہے تو تین طلاقیں بھی حرام اور ناجائز ہونے کے باوجود نافذ ہوتی ہیں
آخر اسمیں اشکال کیا ہے؟
مقالہ۔ اب آپ بتائیں اگر کوئی شخص یوں کہے کہ بغیر وضو کے نماز جائز نہیں البتہ ہو جائے
گی۔ ایک رکعت میں چار سجدے جائز تو نہیں لیکن وہ اگلی رکعت کے سمجھ لئے جائیں کیا خیال
ہے اگلی رکعت دے سمجھ لو ہو تو جائیں گے۔
جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ بعض چیزیں ممنوع
ہونے کے باوجود نافذ ہو جاتی ہیں جیسا کہ حیض کی حالت میں طلاق وغیرہ اور بعض چیزیں
ممنوع ہونے کے ساتھ فاسد ہوتی ہیں ان کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ بے وضوء نماز پڑھنا
ممنوع اور فاسد ہے اسلئے اس پر طلاق کے مسئلہ کو قیاس کرنا نری جہالت ہے۔ پھر جناب
محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک رکعت میں چار سجدے جائز تو نہیں لیکن وہ اگلی رکعت کے
سمجھ لئے جائیں تو ہو جائیں گے ناں الخ۔ تو جناب محمدی صاحب سے عرض ہے کہ ہر
رکعت کا وجود قیام، رکوع اور سجود پر موقوف ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک تکبیر
تحریمہ کے ساتھ معمولی قیام کر کے جو آدمی امام کے ساتھ
رکوع میں مل جاتا ہے تو اس کو رکعت مل جاتی ہے ورنہ نہیں۔ جب رکعت کو رکعت کہتے ہی

اس صورت میں ہیں جبکہ اسمیں قیام، رکوع اور سجدہ ہو تو اگر کوئی آدمی کسی رکعت کو سجدہ سے خالی کرے گا تو اسکی وہ رکعت کیسے ہوگی؟ اور ایک چیز کے ارکان اسی چیز میں پائے جاتے ہیں اس سے پہلے نہیں پائے جاسکتے۔ اگر کوئی آدمی یوں کہے کہ جناب محمدی صاحب کے ہاتھ پاؤں ان کے دادا کو لگا دیئے گئے تھے تو یقیناً یہ بات احمقانہ ہوگی۔ اسی طرح کسی رکعت کے رکوع یا سجدہ کو اس سے پہلی رکعت میں مان لینا بھی نری حماقت ہے۔ مگر یہ باتیں جناب محمدی صاحب کی سمجھ سے بالاتر ہیں اسلئے کہ ایسی باتیں تو حضرات فقہاء کرام سمجھاتے ہیں۔

؎ حقیر سمجھ کر جنھیں بجھا دیا تم نے وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

مقالہ۔ بعض لوگ یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ ایک وقت میں ایک طلاق ہی ہوتی ہے البتہ کچھ وقفے کے بعد دوسری مجلس میں دوسری طلاق یا ہر طہر میں طلاق دے تو واقع ہو جائیں گی۔ کیوں کیا دلیل ہے؟ کیا پہلی طلاق کافی نہیں۔ اگر کافی ہے تو دوسری کدھر سے آگئی۔ دلیل یہ دیتے ہیں جی اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان کہ طلاق کے بعد جس طرح امساك بمعروف ہے جس کا معنے ہے رجوع کرنے کا اختیار۔ ایسا ہی تسریح باحسان کا معنے ہے کہ طلاق دینے کا بھی اختیار ہے تو گذارش یہ ہے میرا سوال ہے کہ غیر مدخولہ میں یہ اختیار کیوں نہیں مانتے؟ وہ کہتے ہیں کہ غیر مدخولہ کو اختیار نہیں، مدخولہ کو اختیار ہے۔ تو جواب دیتے ہیں کہ اس میں رجوع نہیں ہو سکتا تو میں کہتا ہوں اگر رجوع نہیں ہو سکتا تو ہم کب کہتے ہیں کہ رجوع کریں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے جو دلیل پیش کی ہے اس سے یہی نکلتا ہے کہ غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا اختیار مرد کو حاصل ہے۔ غیر مدخولہ کے متعلق اختیار حاصل ہے وہ کہتے ہیں نہیں جی۔ اس کے متعلق کیسے ادھر تو مدخولہ کے متعلق کہا ہے ناں او تسریح باحسان۔ تو اس کا جواب محمدی کا سنیں فرمایا ہے کہ اس کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ طلاق اگر غیر مدخولہ عورتوں کو دیں تو عدت تو کوئی نہیں لیکن اللہ نے فرمایا ومتعوهن وسرحوهن سراحا جميلا۔ کہ طلاق کے بعد تسریح یہاں بھی ہے اگر تسریح کا معنے یہ ہے کہ اسے مزید ابھی طلاق دینے کا اختیار ہے تو پھر غیر مدخولہ کو بھی طلاق دینے کا اختیار ہے۔ کدھر منہ چھپائیں گے ذرا نکلیں، کوئی دلیل لائیں۔ اگر طلاق کا اختیار ہے تو وہ غیر مدخولہ پر بھی حاصل ہے۔ وہاں طلاق کیوں

نہیں ہوتی اور مدخولہ کو کیسے ہو جاتی ہے۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سے زائد طلاق دینے میں مدخولہ اور غیر مدخولہ میں فرق کیوں ہے۔ اور اگر تسریح باحسان کا معنی دو طلاقوں کے بعد طلاق دینے کا اختیار ہے تو جہاں غیر مدخولہ کا حکم بیان کیا گیا ہے وہاں بھی تو وسرحوهن ہے وہاں ایک سے زائد طلاق کا اختیار کیوں نہیں؟ تو عرض ہے کہ! قرآن کریم میں مدخولہ اور غیر مدخولہ کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے پارہ میں الطلاق مرتان سے ایسی عورتوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے جو کہ مدخولہ ہوں اسلئے کہ ان عورتوں کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ولا يحل لهن ان يكتمن ما خلق الله فی ارحامهن۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے ارحام میں جو بچہ پیدا کر دیا ہے اسکو وہ نہ چھپائیں۔ اور بچے کا رحم میں ہونے یا نہ ہونے کا تردد ان ہی عورتوں میں ہو سکتا ہے جو مدخولہ ہوں۔ تو ان آیات میں مدخولہ کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان کے حق میں رجعی طلاقیں دو ہیں۔ اس کے بعد خاوند کو دو باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے خواہ وہ امساك بمعروف کرے یعنی رجوع کر کے عورت کو نکاح میں رکھے یا تسریح باحسان کہ اسکو تیسری طلاق دے کر جدا کر دے۔ اور غیر مدخولہ کے بارہ میں بائیسویں پارہ میں فرمایا گیا ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن کہ جن عورتوں کے ساتھ نکاح کے بعد ملاپ سے قبل ہی طلاق کی نوبت آجائے اور تم ان کو طلاق دے دو۔ تو ان عورتوں پر عدت نہیں ہے۔ اسلئے ان کو فمتعوهن وسرحوهن سراحا جميلا۔ ان کو متعہ دے کر اچھے انداز سے جدا کر دو۔ جناب محمدی صاحب کا یہ فرمانا کہ ایک جگہ تسریح ہے اور دوسری جگہ وسرحوهن ہے تو ایک جگہ طلاق کے بعد طلاق کا اختیار مراد لینا اور دوسری جگہ مراد نہ لینا کیوں ہے؟ تو عرض ہے کہ الفاظ کے معانی مقام کے مناسب متعین کئے جاتے ہیں۔ اور یہاں بھی حضرات مفسرین کرامؒ نے مقام کے مناسب ان الفاظ کے معانی واضح کئے ہیں۔ تسریح باحسان میں تسریح سے مراد طلاق لی ہے جیسا کہ ہم پہلے ص۲ میں بیان کر چکے ہیں اور وسرحوهن میں اس کا معنے یہ بتایا گیا ہے کہ اخرجوهن من منازلكم (روح المعانی ص ۵۱ ج ۲۲ و تفسیر ابی السعود ص ۲۱۵ ج ۴) اور بعض نے یوں معنے کیا ہے وسرحوهن ای خلوا سبيلهن (طبری ص ۱۹ ج ۲۲ و

تفسیر خازن ص ۲۶۷ ج ۵) دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے کہ اب تمہیں ان کو روک رکھنے کا
اختیار نہیں بلکہ ان کا راستہ چھوڑ دو جہاں جانا چاہیں چلی جائیں۔ اسلئے ہم تو مدخولہ اور غیر
مدخولہ میں طلاق کے معاملہ میں ان قرآنی احکامات کیوجہ سے فرق کرتے ہیں۔ اور ان ہی
احکامات کی وضاحت حضرات مفسرین کرام نے فرمائی ہے لہذا ہمیں تو منہ چھپانے کی
ضرورت نہیں۔

مقالہ۔ کیا عبداللہ بن عمر کا واقعہ یاد نہیں کہ نبی پاک ﷺ نے انہیں دوسری طلاق سے پہلے
رجوع کا حکم دیا تھا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حالت حیض میں طلاق دینا منع ہے اور آپ کا یعنی
ہمارا موقف ہے کہ وہ طلاق ہو جاتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اسلئے ہوتی ہے کہ خاوند اس وقت
اس عورت کا مالک ہوتا ہے۔ اگر طلاق ہو اور طلاق ملکیت ختم کرنے کا نام ہے وہ ایک طلاق
سے ختم ہو جاتی ہے۔ جب ایک طلاق سے ختم ہو گئی تو باقی فضول ہیں جیسا کہ نبی پاک کا فیصلہ
بیان ہوا ہے۔ بعض لوگ ہر طہر میں الگ الگ طلاق کے قائل ہیں حقیقت میں یہ بھی کتاب
اللہ کے ساتھ مذاق ہے کیونکہ کتاب اللہ نے ہر طلاق کی عدت یا تین ماہواریاں یا تین ماہ
مقرر کی ہیں تو بتائیں عدت کونسی۔ اگر ایسے دیتے جائیں تو عدت کونسی طلاق سے شمار کی
جائے گی۔ اگر پہلی طلاق سے شمار کریں تو دوسری اور تیسری طلاق کی عدت کدھر جائے گی
اور اگر دوسری تیسری کی بھی الگ الگ عدت گزاریں تو عدت کتنی بنے گی۔ تین ماہواریاں
بنیں گی کہ ؟ یہ شریعت ہے کہ مذاق ہے۔ پتہ ہی نہیں کہ کسطرف جارہے ہیں حساب تو
فرمائیں

جواب مقالہ۔ ہم پہلے ص ۱۵۶ پر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کا حکم اس
لیے نہیں دیا گیا تھا کہ دوسری طلاق سے پہلے یہ ضروری ہے بلکہ ان کو حکم اس لیے دیا گیا تھا
کہ انہوں نے حیض کی حالت میں طلاق دی تھی اور پھر رجوع کے بعد جس حیض میں طلاق
دی تھی اس کے بعد والے طہر میں بھی طلاق دینے کی ممانعت کی تھی۔ اسکی وجہ حضرات
محدثین کرامؒ یہ فرماتے ہیں کہ ایسا اس لیے کیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ دوسری طلاق تک نوبت
ہی نہ آئے چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ رجوع کرنے کے بعد اس کے بعد والے طہر میں
طلاق نہ دینے بلکہ یہ فرمانا کہ یہ طہر گزر جائے اور اس کے بعد حیض کی مدت گزر جانے کے
بعد جو طہر آئے اس طہر میں اگر چاہتا ہے تو طلاق دے اسمیں حکمت یہ بیان کی گئی ہے تاکہ

ظاہر ہو جائے کہ یہ رجوع اگلی طلاق کی غرض سے نہ تھا بلکہ اسلئے تھا کہ اتنا عرصہ وہ اس
عورت کے پاس رہیں اور اس مدت میں جماع کی ضرورت محسوس کریں تو جماع کرلیں تاکہ
ان کے دل میں طلاق کی جو وجہ پائی جارہی ہے وہ وجہ نکل جائے فیمسکھا پھر اس کو اپنے
نکاح ہی میں روک لیں (فتح الباری ص ۲۶۴ ج ۱۱) دیکھیں علامہ ابن حجرؒ تو فرماتے ہیں کہ
حکمت یہ بیان کی گئی ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ رجوع طلاق کی غرض سے نہ تھا مگر محمدی
صاحب کہہ رہے ہیں کہ دوسری طلاق کے لئے رجوع کا حکم دیا گیا۔ اور یہی قاضی شوکانیؒ نے
کہا ہے (ملاحظہ ہو نیل الاوطار ص ۲۲۳ ج ۶) پھر جناب محمدی صاحب ہر طہر میں طلاق کو
بھی کتاب اللہ کے ساتھ مذاق قرار دے رہے ہیں حالانکہ ہم نے ص میں تفصیل سے لکھا
ہے کہ یہ تو احادیث سے ثابت ہے اور پھر یہ اعتراض کہ عدت کس طلاق سے شمار ہو گی اس
کے بارہ میں بھی ہم نے غیر مقلد عالم کے حوالہ سے ص میں بیان کر دیا ہے۔

حیض کی حالت میں دی گئی طلاق کے بارہ میں جو غیر مقلدین پر اعتراض ہوتا ہے جناب
محمدی صاحب نے اس اعتراض کو کیسے عجیب انداز سے گول کرنے کی کوشش کی ہے۔
اعتراض یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق ممنوع ہے اور ممنوع ہونے کے باوجود آپ
حضرات کے نزدیک بھی نافذ کیوں ہو جاتی ہے جبکہ آپ کا نظریہ یہ ہے کہ چونکہ تین طلاقیں
یک وقت دینا ممنوع ہے اسلئے ان کو اس حیثیت کے مطابق نافذ نہیں کریں گے جناب محمدی
صاحب نے جواب یوں دیا کہ اس لیے حیض کی حالت میں طلاق نافذ ہو جاتی ہے کہ اس
حالت میں خاوند بیوی کا مالک ہوتا ہے تو محمدی صاحب سے گذارش ہے کہ کیا تین طلاقیں
اکٹھی دینے والا طلاق دیتے وقت اپنے بیوی کا مالک نہیں ہوتا سوال کی حیثیت کو وہی آدمی بدلتا
ہے جس کے پاس سوال کا جواب نہ ہو جیسا کہ جناب محمدی صاحب نے کر دکھایا ہے۔

مقالہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تین ہی نافذ کر دی تھیں تو جواب یہ ہے کہ
حضرت عمرؓ نے تین طلاقیں نافذ کرنے کا قانون نہیں بنایا تھا بلکہ تین طلاقیں اکٹھی دینے
والوں کو اس خلاف شریعت اسلام کام کے ارتکاب سے روکنے کا انتظام کیا تھا جو غیر مؤثر
ثابت ہوا کیونکہ اس دور میں لوگ نکاح یا طلاق کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے۔ مطلقہ
عورت سے رشتہ کا پیغام عدت ختم ہوتے ہی پہنچ جاتا۔ ایک سے طلاق ہوئی تو کوئی بات نہیں

سمجھی جاتی تھی کیونکہ رشتے عام ملتے تھے ایک ایک آدمی دو دو تین تین چار چار شادیاں کرتا تھا آج ایک نو عمر لڑکی کو طلاق ہو جائے کوئی ادھر منہ کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ چاہے قصور طلاق دینے والے کا ہی ہو کیوں نہ ہو یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کے سنجیدہ علماء احناف نے بھی یہی مئوقف اختیار کیا ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک طلاق ہی ہو گی جیسے میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

جواب مقالہ۔ ہم نے ص۲ میں بیان کر دیا ہے احادیث میں فَاَجَازَ اور فَاَمْضَا کے الفاظ واضح طور پر موجود ہیں اسکے باوجود کہنا کہ نافذ کرنے کا قانون نہیں بنایا تھا یہ جناب محمدی صاحب اور ان کے طبقہ کو ہی زیب دیتا ہے۔ پھر محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام غیر موثر ہو گیا تھا۔ یہ بھی بالکل باطل ہے۔ اسلئے کہ اگر غیر موثر ہو گیا ہوتا تو ان کو اسکے تبدیل کرنے میں کونسی رکاوٹ تھی اور اس غیر مئوثر ہونے کو ائمہ اربعہ اور امام بخاریؒ سمیت محدثین کرام میں سے کوئی بھی نہ سمجھ سکا۔ پھر جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ اس دور میں لوگ نکاح یا طلاق کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے یہ کہنا بھی غلط ہے۔ اسلئے کہ اسلامی احکامات کو اسی دور کے لوگ باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ سمجھتے تھے اور اسلامی احکامات کی قدر کا نتیجہ تھا کہ وہ مطلقہ سے نکاح کو عیب نہ سمجھتے تھے اور نہ ہی کسی عورت کو طلاق ہو جانے پر اسکا خاندان دشمنی پر اتر آتا تھا۔ باقی آج کے معاشرہ کا جو تذکرہ جناب محمدی صاحب نے کیا ہے تو یہ اسلامی احکامات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے اور لوگوں کو جہالت کیوجہ سے جس پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اسکا حل یہ نہیں کہ حکم بدل دیا جائے بلکہ اس کا حل لوگوں کو اسلامی احکامات سیکھنے کی تلقین کرنا ہے۔ جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ موجودہ دور کے سنجیدہ علماء احناف نے بھی یہی مئوقف اختیار کیا ہے تو عرض ہے کہ عمدۃ الاثاث میں اسی وجہ سے کہا گیا تھا کہ غیر مقلدین کا سوء فھم اور دجل دیکھیں کہ حنفی علماء کیا کہہ رہے ہیں اور یہ حضرات اس کا کیا مطلب لے رہے ہیں۔ اگر محمدی صاحب کے پاس اس کا ثبوت ہوتا تو ضرور پیش کرتے کہ فلاں حنفی مفتی عالم نے یہ کہا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔ باقی عبارات کا خود کشید مفہوم تو یہ جناب محمدی صاحب اور ان کے طبقہ کا روایتی انداز ہے۔

مقالہ۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تین اکٹھی طلاقوں کو تین دینے پر اجماع ہے تو میں نے

قصداً اس پہلو پر تعرض نہیں کیا کیونکہ اجماع تو اس پر علماء احناف میں بھی نہیں ہو سکا تو پوری امت کا اتفاق کیسے ہو گیا اور ویسے بھی اس اجماع کی حیثیت واضح ہے جو کہ کتاب و سنت کے خلاف ہو یعنی اسے اجماع کہنے والا غلط بیانی کرتا ہے۔ کتاب و سنت کے اصول و ضوابط کے ہوتے ہوئے ایسا اجماع خارج از امکان ہے کوئی ساری دنیا مقلد نہیں کہ مکھی پر مکھی مارتے رہیں۔

جواب مقالہ۔ تین طلاقوں کے تین ہی ہونے پر حضرات صحابہ کرامؓ، حضرت ائمہ اربعہؒ اور امام بخاریؒ سمیت حضرات محدثین کرامؒ کا اجماع ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نصف النہار میں سورج کے انکار کے برابر ہے۔ کتاب و سنت کے خلاف اجماع خارج از امکان ہے اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ جب اس مسئلہ پر اجماع ثابت ہے جو ایک ناقابل تردید مسلمہ حقیقت ہے تو اس مسئلہ کو کتاب و سنت کے خلاف قرار دینے والے ساری امت کو کتاب و سنت کے خلاف عمل پیرا مانتے ہیں اسلئے ان کا یہ نظریہ بالکل باطل ہے۔ جناب محمدی صاحب کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علماء احناف کا بھی اجماع نہیں ہو سکا اور آگے جو مثالیں بیان کی ہیں اس سے انکی علمی حیثیت نمایاں ہو جاتی ہے کہ وہ یا تو اصل مسئلہ اور مثالوں میں مذکورہ مسائل کو سمجھ ہی نہیں سکے یا پھر انھوں نے اپنے سادہ لوح حواریوں کو خوش کرنے کا وقتی سامان مہیا فرمایا ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی سے کہے کہ نماز کی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور وہ جواب میں یوں کہنا شروع کر دے کہ کیسے اجماع ہے جبکہ کچھ لوگ سینہ پر اور کچھ ناف پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ اور کچھ رفع یدین کرتے اور کچھ نہیں کرتے تو ایسے معترض کو یقیناً عقل و ہوش کی دنیا سے دور ہی قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح گزشتہ سال ایک مضمون میں ہم نے کہا کہ قربانی کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہے تو اس پر پرویزی جماعت کے ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ کیسے اجماع ہے جبکہ کچھ اسکو سنت کہتے ہیں اور کچھ واجب کہتے ہیں اس کو یہ بھی سمجھ نہ آئی کہ کس بات میں اجماع کا دعوی ہے۔ اسی طرح جناب محمدی صاحب نے اعتراض کر دیا کہ تین طلاقوں کے تین ہونے پر کیسے اجماع ہے حالانکہ بعض حنفی علماء کہتے ہیں کہ ان کلمات سے تین واقع ہوتی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کلمات تین طلاقوں کو ثابت نہیں کرتے۔ جناب محمدی صاحب یہ بھی فرق نہیں کر سکے کہ اجماع کس میں ہے۔ اور جو

مثالیں انھوں نے بیان کی ہیں ان میں کیا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ جتنی مثالیں جناب محمدی صاحب نے بیان کی ہیں ان میں سے کسی ایک مثال میں یہ نہیں ہے کہ تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جائے گا۔ ذرا محمدی صاحب کی بیان کردہ مثالیں ملاحظہ فرمائیں اور ان کی علمیت کی داد دیں۔

مقالہ۔ اب اجماع کی کچھ حقیقت بھی سنئے۔ آخری چند باتیں۔ جناب امام مالک امام احمد بن حنبل، امام شافعی اور دیگر بہت سے علماء کا متفقہ موقف یہ ہے کہ غیر مدخولہ کو اگر کوئی شخص انت طالق۔ طالق۔ طالق کہہ کر طلاق دے ایک ہی مجلس میں اکٹھی تو صرف ایک ہی طلاق ہوگی۔ اجماع کدھر گیا جی بتاؤ۔ اور جناب امام ابو حنیفہ کا اپنا موقف یہ ہے کہ ان الفاظ سے تین ہونگی یعنی اگر وہ یہ کہے انت طالق طالق طالق تو تینوں ہونگی۔ البتہ اگر یہ الفاظ بولے **انت طالق فطالق فطالق** یا یہ کہے **انت طالق فانت طالق** یا **انت طالق ثم طالق** تو صرف ایک ہی ہوگی بتائیں اجماع کدھر گیا۔

جواب مقالہ۔ کاش جناب محمدی صاحب یہ مسائل کسی حنفی عالم سے پڑھ لیتے تو ان کو معلوم ہوجاتا کہ ان عبارات میں کیا مسائل بیان کئے جارہے ہیں۔ جناب محمدی صاحب نے پہلی جو صورت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ **انت طالق طالق طالق** غیر مدخولہ کو کہا تو تینوں واقع ہونگی۔ جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا بالکل غلط ہے اسلئے کہ صاحب ہدایہؒ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اس صورت میں صرف ایک طلاق ہوگی اسلئے کہ انت طالق جب پہلی دفعہ کہا تو طلاق ہوگئی اور غیر مدخولہ ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہوگئی اور آگے جو اس نے طالق طالق کہا تو وہ لغو ہوگا اسلئے کہ ان الفاظ کے کہنے کے وقت وہ غیر مدخولہ عورت اسکی جانب سے طلاق کا محل ہی باقی نہیں رہی بلکہ وہ تو پہلی دفعہ انت طالق کہنے سے ہی جدا ہوگئی۔ جناب محمدی صاحب ہدایہؒ کی عبارت ہی نہیں سمجھ سکے۔ جو اختلافی صورت ہے وہ یہ ہے کہ اگر غیر مدخولہ کو اس کے خاوند نے یوں کہا انت طالق ثلاثا تو کیا ایسی صورت میں ثلاثا کہنا لغو ہوگا یا نہیں۔ بعض فقہاء نے کہا کہ ایسی صورت میں ثلاثا لغو نہ ہوگا بلکہ اسکا اعتبار ہوگا اسلئے کہ عدد جب کلام کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے تو اسکا اعتبار کیا جاتا ہے اور یہاں بھی ثلاثا کو انت طالق کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے لہذا اس کا اعتبار ہوگا اور

ان کلمات کے ساتھ غیر مدخولہ کو بھی تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر خاوند دوبارہ اس سے نکاح کرنا چاہے تو شرعی حلالہ کے بغیر نہیں کرسکتا۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ ایسی صورت میں ثلاثا لغو ہوگا اسلئے کہ جب غیر مدخولہ کو انت طالق کہا تو ان الفاظ سے ہی وہ عورت بائنہ ہوگئی۔ اور ثلاثا کا کلمہ لغو ہوجائے گا۔ یہ ہے مسئلہ پہلی صورت میں اور اسمیں ذرا بھی اشارہ نہیں اس بات کی جانب کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔

اور دوسری مثال **انت طالق فطالق**۔ یا **انت طالق ثم طالق** میں دوسری طلاق پر فاء اور ثم ہے جو تعقیب کیلئے آتے ہیں جس کا معنے یہ ہوا کہ پہلی دفعہ انت طالق کے ساتھ طلاق دیتا ہے تو غیر مدخولہ عورت بائنہ ہوگئی اور اس کے بعد طالق ہے تو یہ لغو ہوگا کیونکہ ان الفاظ کے کہنے کے وقت عورت اس سے جدا ہوچکی ہے اسمیں بھی ذرا اشارہ نہیں کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔

مقالہ۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو غیر مدخولہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اختیار کا طلاق نکاح سے حاصل ہوتا ہے یا دخول سے حاصل ہوتا ہے۔ طلاق دینے کا اختیار نکاح کرنے سے حاصل ہوتا ہے یا کہ دخول سے حاصل ہوتا ہے۔ کیسی عجیب باتیں ہیں۔ اب اختیار طلاق کا نکاح سے حاصل ہوتا ہے، یا دخول سے۔ اگر دخول سے حاصل ہوتا ہے تو بغیر دخول کے طلاق واقع کیسے ہوگی اگر بغیر دخول کے صرف نکاح کی وجہ سے اختیار تو پھر مدخولہ کو تین کیوں واقع ہوگئیں غیر مدخولہ کو کیوں نہیں ہوتیں۔

جواب مقالہ۔ اگر کوئی آدمی کسی فن سے واقف نہ ہو اور اس فن کے متعلق بحث شروع کر دے تو اسی طرح چکریاں کھاتا ہے جسطرح جناب محمدی صاحب ان فقہی مسائل کے بھور میں پھنسے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ عرض ہے کہ طلاق کا اختیار تو نکاح ہی حاصل ہوتا ہے مگر اس اختیار کا دائرہ کار دخول اور غیر دخول کی صورت میں مختلف ہے مدخولہ پہلی طلاق کے بعد بھی محل طلاق ہے جبکہ غیر مدخولہ پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائنہ ہوجاتی ہے اور محل طلاق نہیں رہتی۔ اس لیے دونوں میں خاوند کا اختیار مختلف ہوگا یہی وجہ ہے کہ مدخولہ کو تین واقع ہوجاتی ہیں اور غیر مدخولہ پہلی طلاق سے بائنہ ہوکر دوسری اور تیسری طلاق کا محل باقی نہیں رہتی۔ اسلئے دونوں میں فرق ہے۔

مقالہ۔ اور پھر یہ بھی بتائیں کہ صرف تین ہی واقع کیوں ہوتی ہیں۔ اگر ایک آدمی ہزار طلاق دیتا ہے تو ہزار کیوں نہیں واقع ہوتیں۔ دس دیتا ہے دس کیوں نہیں ہوتیں یہ بھی تو اختیار ممکن ہے کہ ایک آدمی تین طلاقیں دے پھر عورت کا کہیں اور نکاح ہو پھر آجائے پھر اسکو تین کا اختیار ہو گیا پھر تین ہو جائیں پھر یہ کہیں اور چلی جائے پھر آجائے پھر تین کا اختیار ہو گیا ایسے زندگی میں امکان ہے کہ کئی طلاقوں کا پھر اختیار ہو آدمی کو پھر ساریاں اکٹھی دے دے کیا کھلونا بنا رکھا ہے۔ تو پھر یہ کہ جب کوئی شخص سو طلاق دے تو پھر آپ کو کہنا چاہئے کہ سو ہی ہو گئی ہیں۔ اس نے بھلا کونسا وہ ظلم کیا ہے کہ جو تین کہنے سے نہیں ہوا۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب اسلام کے اس اصول سے ہی ناواقف نظر آتے ہیں جو نکاح کے بعد اختیار کے بارہ میں اصول شریعت نے مرد کیلئے دیا ہے۔ نکاح کے بعد مرد کو صرف تین طلاقوں کا اختیار ہے اس سے زائد نہیں۔ اگر شرعی حلالہ کے بعد دوسری دفعہ وہی عورت اسی خاوند کے نکاح میں آتی ہے تو پھر اسکو تین طلاقوں کا اختیار حاصل ہو گیا۔ اور اسکو اس نکاح کی وجہ سے تین طلاقوں کا جو حق حاصل ہوتا ہے وہ تو اس نکاح سے پہلے حاصل ہی نہیں ہوتا کہ اس اختیار کو نافذ کرے۔ مگر جناب محمدی صاحب کہتے ہیں کہ بعد والے نکاحوں کی وجہ سے طلاقوں کا جو حق حاصل ہوتا ہے وہ بھی ان نکاحوں سے پہلے ہی نافذ کر دے۔ کیسا محققانہ انداز ہے غیر مقلدین حضرات کو اس پر ناز کرنا چاہئے۔

مقالہ۔ حنفی اجماع کی حقیقت۔ آخری باتیں ہیں جی۔ لکھی ہوئی تو عربی ہے میں اس کا ترجمہ پڑھتا ہوں اگر کوئی شخص اپنی بیوی حاملہ کو طلاق دے اور لفظ بولے سنت کا **ویطلقها للسنة ثلاثا یفصل بین کل تطلیقتین بشهر عند ابی حنیفة وابی یوسف**۔ امام ابو یوسف ؒ اور امام ابو حنیفہ ؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی حاملہ بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے تو مہینہ مہینہ میں ایک طلاق دے یہ قاضی ابو یوسف ؒ اور امام ابو حنیفہ ؒ کا موقف ہے لیکن امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ موقف غلط ہے۔ اسکو صرف ایک طلاق دے سکتا ہے زیادہ نہیں دے سکتا جی۔

جواب مقالہ۔ اس میں کہاں ہے کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جائیگا۔ اس عبارت میں یہ مسئلہ واضح کیا گیا ہے کہ حاملہ عورت کے حق میں طلاق سنی کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ ؒ اور امام ابو یوسف ؒ نے فرمایا کہ اس کے حق میں طلاق سنی یہ ہے کہ ہر مہینہ میں ایک ایک طلاق دی جائے اسلئے کہ طلاق سنی اصل میں تو یہ ہے کہ ہر ایسے طہر میں عورت کو طلاق دی جائے جسمیں اس کے ساتھ ہمبستری نہ کی ہو۔ اور ہر طہر کا تعین حیض کے بعد کیا جاتا ہے اور حاملہ عورت کو تو حیض نہیں آتا اس لئے اس کے حق ہر مہینہ ہر طہر کی جگہ قرار دیا جائے گا۔ اور امام محمد ؒ نے فرمایا کہ اس کے حق میں طلاق سنی یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دے کر اسکو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر لے۔ اس مسئلہ کا اس اجماعی مسئلہ سے کیا تعلق ہے کہ جناب محمدی صاحب اس سے اجماع میں اختلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

مقالہ۔ دوسری بات۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے **انت الطلاق** کہ تو طلاق ہے۔ یا یہ کہے **انت طالق الطلاق** یا کہے **انت طالق طلاقا** یہ الفاظ بولے **فان لم یکن له نیة اونوی واحدة اوثنیتین**۔ اگر وہ ایک کی نیت کرے یا بالکل نیت نہ کرے یا دو کی نیت کرے تو صرف ایک طلاق ہو گی یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر ایک کی نیت کرے یا کوئی نیت نہ کرے یا دو کی نیت کرے تو ایک طلاق ہو گی اور اگر تین کی نیت کرے تو تین ہی ہو جائیں گی۔

اور امام زفر صاحب کہتے ہیں نہیں ایک کی نیت کرے گا تو ایک ہی ہو گی اور دو کی کرے گا تو دو ہی ہونگی اور اگر تین کی کرے گا تو تین ہی ہونگی۔ یہ ہے اجماع کہ طلاق کے مسئلہ میں اجماع ہو چکا ہے۔

جواب مقالہ۔ اسمیں بھی کہیں یہ نہیں ہے کہ کسی نے کہا ہو کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں کہ اسکو اجماع توڑنے کے بارہ میں پیش کیا جا سکے۔ اسمیں تو صرف یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ ان الفاظ میں آخر میں الطلاق یا طلاقا کہا گیا ہے یہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے اور اصل طلاق میں تاکید پوری جنس مراد لینے کی صورت میں ہوتی ہے اور طلاق میں پوری جنس تین طلاقیں ہیں اسلئے اگر اس نے تین ہی نیت کی تو اسکی نیت معتبر ہو گی۔ اور اگر ایک کی نیت کی یا کوئی نیت نہ کی تو ایک ہی ہو گی اسلئے کہ تاکیدی الفاظ میں عدد محض کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اسلئے دو کی نیت معتبر نہ ہو گی۔ یا ادنیٰ فرد مراد ہو گا جو کہ ایک طلاق ہے یا پوری جنس مراد ہو گی جو کہ تین طلاقیں ہیں۔ اور امام زفر ؒ نے فرمایا کہ جب تین کی نیت درست ہے تو دو بھی تو تین کا حصہ ہے لہذا اس

کی نیت بھی معتبر ہوگی۔ صاحب ہدایہ کیا مسئلہ بیان کر رہے ہیں اور جناب محمدی صاحب اسکو کہاں لے جارہے ہیں؟ من چہ میگویم طنبورا من چہ مے سراید۔

مقالہ۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو کہے کہ تیرے ہاتھ کو طلاق۔ تیرے پاؤں کو طلاق۔ تیری ٹانگ کو طلاق تیرے سر کو طلاق تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں نہیں ہو جائے گی کیونکہ بعض دفعہ ایک جز پوری ذات کے اوپر بول دیا جاتا ہے جس طرح لفظ بقرہ سورۃ البقرۃ ساری پر کہا جاتا ہے حالانکہ وہ تھوڑا سا واقعہ ہے۔ اب یہ اجماع ہے۔ جی۔

جواب مقالہ۔ ان الفاظ کے بیان کرنے میں جناب محمدی صاحب سے غلطی ہوئی ہے اسلئے کہ سر کا حکم یہ نہیں ہے۔ بہر حال اسمیں بھی کہاں ہے کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جائیگا۔

مقالہ۔ اگر کوئی یہ کہے انت طالق من واحدۃ الی ثنتین او مابین واحدۃ الی ثنتین اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایک سے لے کر دو تک طلاقیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ہوگی اور اگر کہے من واحدۃ الی ثلث یا بین واحدۃ الی ثلث فھی ثنتان۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کیا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے من واحدۃ الی ثنتین تو دو ہونگی اور اگر کہے من واحدۃ الی ثلث تو تینوں ہو جائیں گی اور امام زفر رحمۃ اللہ کہتے ہیں پہلی صورت میں کوئی طلاق نہیں ہوگی اور دوسری صورت میں ایک واقع ہوگی اور یہی زیادہ بہتر موقف ہے۔

جواب مقالہ۔ اس عبارت میں بھی قطعاً اس بات کی جانب اشارہ تک نہیں جس مقصد کے لئے جناب محمدی صاحب یہ عبارت پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد تو یہ تھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ تین طلاقوں کو تین ہی قرار دینے پر اجماع ہے وہ اجماع کا دعوی غلط ہے اسمیں تو یہ مسئلہ بیان کیا جارہا ہے کہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی چیز کی ابتداء اور انتہاء بیان کی جائے تو ابتداء اور انتہاء اس حکم میں داخل نہیں ہوتے جیسے کوئی کہے کہ گھوڑے کو عالم چوک سے اعوان چوک تک دوڑانا ہے تو اس میں نہ عالم چوک داخل ہوگا اور نہ اعوان چوک۔ تو جب آدمی نے کہا کہ ایک سے دو تک طلاق تو ایک بھی اس میں داخل نہ ہوئی اور نہ ہی دو داخل ہوئی اور کچھ بھی واقع نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے کہا کہ چونکہ عرف عام میں یہ کہا جاتا ہے کہ ایک سے سو تک روپے یہاں سے لے لے تو ان اعداد کا لحاظ ہوتا ہے

اسی طرح یہاں بھی ان اعداد کا لحاظ ہوگا اور دو واقع ہونگی۔ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں پہلے عدد سے زائد اور دوسرے عدد سے کم مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میری عمر ساٹھ سے ستر سال تک ہے تو یہ ستر سال سے کم مراد ہوگا۔ تو جب یوں کہا کہ انت طالق من واحدۃ الی ثنتین تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ایک سے زائد اور دو سے کم۔ تو چونکہ دو سے کم مراد ہے اس لیے ایک واقع ہوگی۔ اسی طرح باقی مثالوں میں بھی اسی قسم کا بیان ہے۔ اسمیں تین طلاقوں کے مسئلہ پر اجماع کے خلاف قطعاً کچھ نہیں پایا جارہا۔

مقالہ۔ اگر کوئی شخص یہ کہے انت طالق واحدۃ فی ثنتین ونوی الضرب والحساب

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق اس انداز میں دے کہ تجھے ایک ضرب دو طلاقیں۔ ایک ضرب دو اس حساب کے ساتھ طلاق دے۔ اب کہتے ہیں اگر اسکی نیت کوئی نہ ہو تو ایک طلاق ہو جائیگی جبکہ امام زفرؒ فرماتے ہیں دو طلاقیں ہونگی اور اگر یہ کہے کہ اثنتین فی اثنتین تجھے دو ضرب دو طلاقیں۔ دو ضرب دو چار ہوتا ہے ونوی الضرب والحساب۔ حساب اور ضرب کا ارادہ کرے تو دو ہو جائیں گی بزرگوں کے نزدیک۔ امام زفر کہتے ہیں تین ہونگی بتائیں اس کا نام اجماع ہوتا ہے جسکی بنیاد پر لوگوں کو عذاب در عذاب میں ڈالا جارہا ہے۔ کہتے ہیں۔ کیا ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ہیں تو حرام لیکن ہو جائیں گی۔

جواب مقالہ۔ اس مثال میں صرف یہ بیان ہوا ہے کہ ضرب کے عمل سے مضروب کی زیادتی ہوتی ہے اور یہ نظریہ ہے امام زفرؒ کا۔ اور دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اگر چیز ایسی ہو جس کا طول وعرض وعمق نہ ہو اور اسکے ایک عدد کو دوسرے میں ضرب دی جائے تو اس وقت مضروب کی زیادتی نہیں ہوتی بلکہ پہلا عدد جو ہوتا ہے اس کے اتنے اجزاء مراد ہوتے ہیں جو عدد بعد میں ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ یہاں طلاق ایسی چیز ہے جسکا طول وعرض وعمق نہیں اور ایک طلاق کو دو طلاقوں کے ساتھ ضرب دی تو معنے یہ ہوا کہ ایک طلاق کے دو اجزاء مراد ہیں۔ اور اسکی وجہ سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ یہ اختلاف اسمیں نہیں کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جائیگا کہ نہیں بلکہ اختلاف اسمیں ہے کہ ایسی چیز جس میں طول وعرض وعمق نہ ہو اسمیں ضرب نے مضروب کی زیادتی ہوتی ہے یا کہ اجزاء کی تکثیر ہوتی ہے۔ اس مثال کا بھلا اس اجماع سے ثابت ہونے والے نظریہ سے کیا تعلق ہے یہ تو مسئلہ ہی جدا ہے ہم نے

مثالوں کی وضاحت اسلئے ضروری سمجھی تاکہ عوام الناس کو ان مثالوں میں بیان کردہ اصل مسائل سے آگاہی ہو جائے اور ان کو معلوم ہو جائے کہ جناب محمدی صاحب نے جو مثالیں بیان کی ہیں ان کا اصل مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

مقالہ۔ پھر حیلہ کرنا کہ چلو حلالہ کرلو۔ حلالہ سے تو حرام لیکن بیوی تو مل جائیگی ناں۔ نبی پاک ﷺ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ تعالے کی حلال چیز کو حرام کریں۔ چاہے وہ شہد ہو یا ماریہ قبطیہ ہو تو عام لوگوں کو یہ اختیار کیسے مل گیا اللہ کہتے ہیں لم تحرم مااحل اللہ لک تو کیا خیال ہے کہ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد رجوع حلال اور جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو آپ کو کس نے اختیار دیا ہے کہ پہلے حلال کو حرام کریں اور پھر حرام اور باعث لعنت کام کی ترغیب دلائیں۔ غلط کام کا نتیجہ بھی ویسے ہی غلط ہوتا ہے۔

جواب مقالہ۔ ہم حلالہ کے متعلق بحث کر چکے ہیں بفضلہ تعالےٰ ہم نہ کسی جائز کو حرام کرتے ہیں اور نہ ہی حرام کی اجازت دیتے ہیں۔ جس عمل کو صحابہ، تابعین، ائمہ کرام اور محدثین کرام بالاتفاق حرام کہتے ہیں اسکو جناب محمدی صاحب اور ان کا طبقہ حلال کہتا ہے اور پھر نادانی سے تین طلاقیں اکٹھی دینے والوں کو اس قسم کا فتوی دے کر زندگی بھر کے لئے حرام کاری میں دھکیل دیتا ہے۔

مقالہ۔ حلالہ کی نوبت صرف اسی وقت محسوس کی جاتی ہے جب یک دم **تین کردی جائیں** اگر شریعت کے مطابق تین ہوں تو یہ نوبت آتی ہی نہیں۔ نبی کریم ﷺ تو حلالہ کرنے اور کروانے والوں کو ملعون قرار دیتے ہیں اور حلالہ کرنے والے کو التیس المستعار ادہار مانگا ہوا سانڈھ قرار دے رہے ہیں آپ اس کے ذریعہ ماشاءاللہ حرام کو حلال کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر لیلا چوری کا ہو اور چھری بھی چوری کی ہو۔ چوری کی چھری سے چوری کا لیلا اگر حلال کیا جائے تو ذبح تو ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کیسی دلیلیں ہیں۔ کیا یہ اللہ تعالےٰ کی شریعت کے ساتھ مذاق نہیں ہے۔ اب دیکھیں نبی ﷺ نے جیسے سود لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے ویسی ہی حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ اسے خاوند اور سانڈھ کی راحت وسکون کا سامان قرار دے رہے ہیں۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ حلالہ کی نوبت صرف اس وقت محسوس

ہوتی ہے جب یک دم تین کردی جائیں اگر شریعت کے مطابق تین ہوں تو یہ نوبت آتی ہی نہیں۔ تو عرض ہے کہ ہم نے حلالہ کی تعریف غیر مقلد عالم سے ص میں بیان کی ہیں اور اس کی صورتیں بھی بیان کی ہیں یہ کہنا کہ شریعت کے مطابق تین ہوں تو یہ نوبت آتی ہی نہیں یہ کہنا بالکل غلط ہے اس لیے کہ قران کریم میں فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ کہ تیسری طلاق کے بعد اب اس خاوند کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے یہی حلالہ شرعی ہے اور اس کی ضرورت شرعی صورت میں دی گئی طلاق میں بھی ہوتی ہے باقی رہا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت اور اسکو مانگا ہوا سانڈھ قرار دینا تو یہ بالکل درست ہے اور یہ اسی صورت میں ہو گا جبکہ نکاح میں اس کو شرط قرار دیا جائے جیسا کہ ہم نے پہلے ص پر اس کی تفصیل بیان کردی ہے۔

مقالہ ۔سن لو اللہ تعالی فرماتے ھیں ولاتقو لوالماتصف السنتکم الکذب ھذاحلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ۔اپنی زبانوں کی طرف سے جھوٹ بنائے ہوئے کو یہ مت کہو کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے۔ کہیں اللہ پر الزام نہ لگ جائے اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے یہ تو دنیا کا فائدہ ہے ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے اللہ سے ڈر جاؤ اس کی کتاب کی طرف آجاؤ۔ اللہ کہتے ہیں اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء ۔اللہ کی طرف سے نازل کردہ شریعت پر عمل کرو۔ اولیاء کے پیچھے نہ چلو۔ اللہ کہتے ہیں یا ایھا الذین امنو ادخلوا فی السلم کافۃ ۔ مسلمانوں اسلام پر چلنا سیکھو پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ کیونکہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اللہ کے ہاں معتبر دین اسلام ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ جو شخص غیر اسلام دین اسلام کے علاوہ کوئی اور انداز اختیار کرے گا تو وہ قبول نہیں ہو گا۔ یہ کہتے ہیں نہیں تین بھی قبول ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے دستور عمل کا تقاضہ فردوہ الی اللہ والرسول اس کا تقاضہ یہی ہے۔ کہ اللہ کے احکام اور حدود کی پابندی کی جائے۔ آپ کے سامنے یہ بات قرآن مجید اور نبی پاک ﷺ کے واضح فیصلوں کی روشنی میں بیان ہو چکی ہے کہ شریعت اسلام کا طریقہ نکاح اور طلاق واضح ہے اس میں کوئی ابہام نہیں اور طلاق کی صورت

بھی بالکل ظاہر ہے کہ ایک ہی طلاق ہے طلاقیں تین نہیں اور ایک وقت میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں ناجائز کام کرتے ہوئے یہ اختیار استعمال کرلوں یہ اس کے استعمال کرنے کا نہیں ہے۔

جواب مقالہ۔ جناب محمدی صاحب نے جو وعظ فرمایا ہے کاش اس پر خود بھی عمل کی کوشش کریں۔ اور سوچیں کہ یہ آیات کن لوگوں کے خلاف پیش کر رہے ہیں۔ کیا حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں جو فیصلہ فرمایا تھا تو کیا وہ **ولا تقولوا لما تصف** والی آیت کی مخالفت کرنے والے تھے۔ کیا وہ اولیاء کی پیروی کرنے والے تھے؟ کیا وہ حضرات اسلام میں پورے داخل نہ تھے؟ کیا وہ اسلام کے علاوہ کوئی اور انداز اختیار کرنے والے تھے؟ اور جتنے محدثین اور فقہاء اسلام نے یہ نظریہ اپنایا کیا وہ سب ان آیات کی زد میں نہیں آتے جو آیات جناب محمدی صاحب نے پیش کی ہیں معاذ اللہ۔ باقی جناب محمدی صاحب کا پھر یہ کہنا کہ طلاق ایک ہی ہے تین نہیں اسکی بحث ہم ص۱۹ میں کر چکے ہیں۔

مقالہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں جی ایک آدمی کسی کو ایک گولی مار دے وہ قتل ہو جائے اور تین مار دے پھر بھی قتل ہو جائے تو ہے ناجائز لیکن قتل تو ہو گیا۔ ٹھیک کچھ احکام ہیں کچھ کام ہیں تکوینی۔ یعنی کام کرنے والے جو بعاوث کے ساتھ ہیں۔

جواب مقالہ۔ قتل ایک گولی سے ہو یا تین گولیوں سے بیشک قتل ایک ہی ہے اسی طرح طلاق ایک دے یا تین دے جس عورت کو طلاق دی گئی ہے وہ ایک ہی ہے۔ اور عقل و ہوش کی دنیا میں تین گولیوں کو ایک کوئی بھی نہیں کہتا۔ بلکہ قاضی کی عدالت میں تین کی صورت میں مجرم کے خلاف کیس مضبوط ہوتا ہے اسلئے کہ ایک گولی کی صورت میں وہ کہہ سکتا ہے کہ بندوق ٹھیک کرتے کرتے اچانک گولی چل گئی ہے اور اس کا فائدہ مجرم کو پہنچ سکتا ہے لیکن تین گولیاں مارنے والا یہ عذر نہیں کر سکتا اسلئے اس کے خلاف کیس مضبوط ہوگا۔ اسی طرح ایک طلاق دینے والے کے ساتھ تو رعایت ہوگی کہ اسکو رجوع کا حق ہوگا۔ مگر تین اکٹھی دینے والے کا معاملہ ایک والے کے ساتھ برابر نہیں قرار دیا جا سکتا۔

مقالہ۔ اب ایک آدمی ہے اسکو کہا جائے کہ بھئی پکی اینٹیں بھگوئی جاتی ہیں پانی میں کچی نہیں بھگوئی جاتیں تو وہ کہے نہیں جی کتاباں وچ لکھیا ہویا اے

بھگونیاں چاہی دیاں نیں۔ بھگودے تے انہاں نیں تے فیر خراب ہوناں اے ناں۔

جواب مقالہ۔ یہی تو ہم کہتے ہیں کہ صرف کتابوں میں لکھا ہوا نہ دیکھیں کہ علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ نے لکھ دیا ہے بلکہ دیکھیں کہ وہ لکھا ہوا شریعت اور عقل کے مطابق بھی ہے کہ نہیں۔ شریعت وہ ہے جو صحابہؓ نے حضور ﷺ سے سیکھی اور عقل بھی تین کو ایک تسلیم نہیں کرتی لہذا آپ لوگ کچی اینٹیں کیوں علامہ ابن تیمیہؒ کی لکھائی پر عمل کرتے ہوئے بھگوتے ہیں۔ ہوش سے ذرا کام لیں۔

مقالہ۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ یہ بتائیں کہ اگر ایک شخص ایک آدمی کو ایک گولی مارتا ہے تو وہ اس سے مر جاتا ہے تو ایک اور مارتا ہے پھر ایک اور مار دیتا ہے اس پر تین قتل پڑیں گے کہ ایک قتل پڑے گا؟ اس وچارے دے تے تساں تن طلاقاں پا دتیاں نیں۔

جواب مقالہ۔ تین گولیوں کا انکار تو نہیں کرنا چاہیے باقی رہا یہ کہ قتل ایک ہے تو بالکل درست ہے قتل ایک اسلئے ہے کہ مقتول ایک ہے اسی طرح تین طلاقوں کی وجہ سے جدائی ایک ہے اسلئے کہ جس عورت کو طلاقیں دی گئی ہیں وہ ایک ہے۔ تین گولیوں والی مثال میں ایک گولیاں مارنے والا ہے۔ اور پھر تین گولیاں ہیں اور ان گولیوں کا اثر قتل ہے اور جس کو لگی ہیں وہ مقتول ہے۔ اسی طرح ایک شخص طلاق دینے والا ہے۔ پھر طلاقیں تین ہیں اور ان کا اثر جدائی ہے اور جس عورت کو طلاق دی گئی وہ مطلقہ ہے تو جیسے مقتول ایک ہو تو ایک ہی قتل قاتل پر پڑتا ہے اسی طرح جب مطلقہ ایک ہے تو ایک ہی جدائی ثابت ہوگی یہ نہیں ہو سکتا کہ اس جدائی کا اثر اسکی دوسری بیویوں پر بھی پڑے۔ تو جیسے تین گولیوں کو ایک نہیں کہا جاتا بلکہ ان کا جو اثر اور نتیجہ یعنی قتل ہے وہ ایک ہے اسی طرح تین طلاقوں کو بھی ایک نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان کا جو اثر اور نتیجہ یعنی جدائی ہے وہ ایک ہے۔ یہ مثال تو جناب محمدی صاحب نے خود اپنے ہی خلاف دے دی۔

؎ لو آپ ہی اپنے دام میں صیاد آگیا

مقالہ۔ اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں **ردوہ الی اللہ والرسول۔ تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم** آؤ ایک وہ بات جو ہماری اور تمہاری ایک ہے اس پر اکٹھے ہو جائیں اللہ تعالیٰ سمجھنے کی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب مقالہ۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے براہ راست شاگرد اور باقی امت اور حضور علیہ السلام کے درمیان اتصال کا ذریعہ حضرات صحابہ کرامؓ ہیں انھوں نے جو سمجھا اسی کو دین سمجھ کر اس پر عمل کریں اسلئے کہ جب آنحضرت ﷺ سے کامیابی حاصل کرنے والی جماعت کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جماعت آخرت میں کامیاب ہوگی ما انا علیہ واصحابی جو میرے اور میرے صحابہ کے راستہ پر چلنے والی ہوگی۔ یہ مشترکہ نظریہ ہے آؤ اسی پر عمل کریں۔ اور صحابہ دشمن شیعہ کو اپنے عمل یا اپنے نظریہ سے تقویت نہ پہنچا دیں۔ اللہ سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد جناب محمدی صاحب نے کسی سوال کرنے والے کے سوالات کے جواب دیئے ہیں اور مقالہ یہاں تک ہی ختم ہے۔

بے سروپا نظریہ کا نتیجہ ــــــــــــــــ اگر کوئی شخص بے سروپا نظریہ اپنالے تو وہ کسی بات پر ٹھہر تا نہیں بلکہ اسکی کلام سے بے ثباتی بالکل عیاں ہوتی ہے۔ جناب محمدی صاحب کا مقالہ سنیں تو وہ بھی کسی ایک موقف پر ٹھہرتے نہیں بلکہ موقف لحہ بہ لحہ بدلتے جاتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں اکٹھی دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی جدا جدا تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ایک طہر میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ خواہ مختلف طہروں میں طلاقیں ہوں اگر پہلی طلاق کے بعد رجوع نہ ہو تو اگلی طلاق کا اعتبار نہیں ہے کبھی کہتے ہیں کہ طلاق ایک ہی ہے تین نہیں کبھی کہتے ہیں کہ شریعت اسلام کے مطابق تین طلاقیں ہونی چاہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جن میں جناب محمدی صاحب تضاد در تضاد کا شکار ہوئے ہیں جیسا کہ ان کی تقریر سننے والے بخوبی جان سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہر مسلمان کو حضرات صحابہ کرام و ائمہ عظام و محدثین و فقہاء اسلام کی بتلائی ہوئی کتاب و سنت کی تعبیرات کے مطابق اعتقاد و عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور صحابہ دشمنوں کا آلہ کار بننے سے بچائے اور محفوظ رکھے آمین یا الہ العالمین۔ وصلی اللہ تعالےٰ علی خیر خلقه محمد واله واصحابه واتباعه اجمعین.

حافظ عبدالقدوس خان قارن

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

- **خزائن السنن** — تقریر ترمذی طبع سوم — 175 روپے
- **احسن الکلام** — مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث (طبع ششم) — 165 روپے
- **تسکین الصدور** — مسئلہ حیات النبی ﷺ پر مدلل بحث (طبع ششم) — 120 روپے
- **الکلام المفید** — مسئلہ تقلید پر مدلل بحث
- **ازالۃ الریب** — مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث (طبع ششم) — 150 روپے
- **راہِ سنت** — ردِ بدعات پر لاجواب کتاب — 95 روپے
- **مقام ابی حنیفہ**
- **سماع موتیٰ**
- **طائفہ منصورہ** — نجات پانے والے گروہ کی علامات — 50 روپے
- **ارشاد الشیعہ** — شیعہ نظریات کا مدلل جواب — 48 روپے
- **آنکھوں کی ٹھنڈک** — مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث — 60 روپے
- **عبارات اکابر** — اکابر دیوبند کی عبارات پر اعتراضات کے جوابات — 50 روپے
- **صرف ایک اسلام** — 48 روپے
- **گلدستہ توحید** — مسئلہ توحید کی وضاحت — 40 روپے
- **دل کا سرور** — مسئلہ مختار کل کی مدلل بحث — 42 روپے
- **درود شریف** — پڑھنے کا شرعی طریقہ — 12 روپے
- **احسان الباری** — بخاری شریف کی ابتدائی احادیث — 21 روپے
- **تبلیغ اسلام** — ضروریات دین پر مختصر بحث — 21 روپے
- **چراغ کی روشنی** — [illegible] — 18 روپے
- **مسئلہ قربانی** — قربانی کی اہمیت اور ایام قربانی پر مدلل بحث — 18 روپے
- **عیسائیت کا پس منظر** — عیسائیوں کے عقائد کا رد — 21 روپے
- **مقالہ ختم نبوت** — قرآن و سنت کی روشنی میں — 12 روپے
- **بانی دار العلوم دیوبند** — [illegible] — 12 روپے
- **راہ ہدایت** — کرامات و معجزات کے بارے میں [illegible] کی وضاحت — 33 روپے
- **ینابیع** — [illegible] — 12 روپے
- **آئینہ محمدی** — بیعت پر مختصر رسالہ — 8 روپے
- **تفریح الخواطر** — بجواب تنویر الخواطر
- **اتمام البرہان** — رد توضیح البیان
- **حلیۃ المسلمین** — داڑھی کا مسئلہ — 12 روپے
- **توضیح المرام** — فی نزول المسیح علیہ السلام — 20 روپے
- **تنقید متین** — بر تفسیر نعیم الدین
- **شوق جہاد** — 8 روپے
- **الکلام الحاوی** — سادات کے لئے زکوٰۃ نہ ہونے کی مدلل بحث
- **ملا علی قاری** — اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر — 8 روپے
- **المسلک المنصور** — 20 روپے
- **الشہاب المبین** — بجواب الشہاب الثاقب
- **عمدۃ الاثاث** — تین طلاقوں کا مسئلہ — 25 روپے
- **شوق حدیث** — حجیت حدیث پر مدلل بحث
- **انکار حدیث کے نتائج** — منکرین حدیث کا رد — 45 روپے
- **مودودی صاحب کے غلط فتوے** — 8 روپے
- **چالیس دعائیں** — 10 روپے
- **اخفاء الذکر** — ذکر آہستہ کرنا چاہیے — 18 روپے
- **باب جنت** — بجواب راہ جنت
- **حکم الذکر بالجہر** — 48 روپے
- **اظہار العیب** — بجواب اثبات علم الغیب
- **اطیب الکلام** — خلاصہ احسن الکلام — 15 روپے
- **چہل مسئلہ** — حضرات بریلویہ — 10 روپے
- **مولانا ارشاد الحق اثری کا مجذوبانہ واویلا** — 60 روپے
- **مرزائی کا جنازہ اور مسلمان** — 5 روپے

عمر اکادمی کی مطبوعات

- **خزائن السنن** — جلد دوم کتاب البیوع — 90 روپے
- **بخاری شریف** — غیر مقلدین کی نظر میں — 18 روپے
- **حمیدیہ** — [illegible] — 48 روپے
- **جنت کے نظارے** — [illegible] — 180 روپے
- [illegible] امام ابو حنیفہ کا عادلانہ دفاع
- مروجہ قضائے عمری بدعت ہے